(۳۶)

تحریک جدید کے تمام مطالبات پر عمل کرنے والے صفاتِ الٰہیہ کے مظہر بن سکتے ہیں

(فرمودہ ۲۶ نومبر ۱۹۳۷ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے گزشتہ جمعہ میں اس امر کے متعلق خطبہ بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو جو پیدا کیا ہے وہ یونہی نہیں پیدا کیا بلکہ اس کی صفات کا تقاضا تھا کہ دنیا پیدا کی جاتی اور خصوصاً انسان کی پیدائش معرضِ وجود میں آتی۔ چنانچہ انسان کی پیدائش قرآن کریم کے بیان کے مطابق اس لئے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چار صفات اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتی تھیں۔ یہ صفات اپنے منبع کے لحاظ سے تو وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آیت اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ O فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ [1] میں بیان فرمایا ہے۔ اور بندوں کے تعلق کے لحاظ سے سورۂ فاتحہ میں آیات اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ [2] آیات میں بیان فرمایا ہے۔ گویا پہلی آیت میں چار صفات بطور منبع کے بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ صفات جنہوں نے دُنیا کی پیدائش کا تقاضا کیا لیکن ان کے نتیجہ میں جب انسان کو پیدا کیا گیا تو چار اور صفاتِ الٰہیہ نے انسانوں کی خبر گیری کی۔ گویا تختِ شاہی کے مالک بلند شان والے مہربان رب کی طرف سے جب دنیا پیدا ہوئی تو وہ دنیا کے لحاظ سے ربّ العٰلمین بن گیا۔ پھر توحیدِ کامل نے جب اپنا جلوہ دکھانا

چاہا تو وہ انسانوں کیلئے رحمانیت کی صفت میں ظاہر ہوئی اور دنیا کی ہر ضرورت کو اُس نے پورا کر کے بتا دیا کہ سوائے اس کے اور کوئی خدا نہیں۔ پھر اَلْحَقُّ کی صفت نے جب ظہور کرنا چاہا جو سچے وعدے کرنے والی اور دنیا کو قائم رکھنے والی ہے تو اس نے رحیمیت کی شکل میں اپنا جلوہ دکھایا۔ اور گو اَلْحَقُّ کے معنے قائم رکھنے والے کے بھی ہیں مگر چونکہ اس میں سچائی کے معنے بھی شامل ہیں، اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ میں صفت رحیمیت کے ماتحت ہر اُس چیز کو قائم رکھوں گا جو سچائی پر مبنی ہوگی اور پھر اس کی نیکی کا بار بار بدلہ دوں گا اور اسے ہمیشہ کی زندگی عطا کروں گا۔ پس اُس نے مخلوق میں سے سچ پر قائم ہونے والے وجودوں کو ہمیشہ کیلئے قائم رکھ کر اپنے اَلْحَقُّ ہونے کا ثبوت دیا۔ پھر ملکیت نے چاہا کہ وہ کوئی قانون جاری کرے اور جب اس نے قوانین جاری کئے تو اس نے کہا اب میں ہر ایک سے حساب لوں گا کہ اس نے قانون کی کس حد تک پیروی کی ہے اور وہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تو یہ چار صفات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں جو خطبہ کے شروع میں مَیں نے پڑھی تھی، یہ سورۃ فاتحہ کی چار صفات کیلئے بطور منبع ہیں۔ مٰلِکِ نے جب اپنی جلوہ گری کی تو لازمی طور پر مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صفت انسانوں کیلئے ظاہر ہوئی۔ توحید نے جب اپنا ثبوت دینا چاہا تو لازمی طور پر اس کی رحمانیت کی صفت ظاہر ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ کی صفت اَلْحَقُّ نے جب اپنا ظہور چاہا تو اس نے رحیمیت کے ذریعہ سے سچائی کے دِلدادوں کو ہمیشگی کی زندگی بخشی۔ پھر رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ نے چاہا کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس کی وہ ربوبیت کرے۔ پس اُس نے دنیا پیدا کیا اور اس کیلئے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہو کر ظاہر ہوا۔ غرض رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی خدا کی صفت ہے اور الرحمٰن بھی خدا کی صفت ہے اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی خدا کی صفت ہے۔ لیکن مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صفت تابع ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ کی صفت کے۔ اگر وہ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ نہ ہوتا تو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی نہ ہوتا۔ اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنَ نتیجہ ہے اس کے مٰلِکِ ہونے کا۔ اگر وہ مٰلِکِ نہ ہوتا تو مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی نہ ہوتا۔ جس نے کوئی قانون ہی نہ بنایا ہو وہ اس کے متعلق باز پُرس کرنے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتا۔ اسی طرح اگر وہ اَلْحَقُّ نہ ہوتا اور تمام تر سچائیوں کا منبع نہ ہوتا اور پھر اس کے اندر دوسری چیزوں کو قائم رکھنے کی طاقت نہ ہوتی تو وہ رحیم بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ رحیمیت کی صفت ہی ہے جو بنی نوع انسان کے سچائی پر قائم ہونے کی وجہ سے انہیں اچھے سے اچھا بدلہ دیتی ہے اور انہیں ہمیشہ کیلئے قائم رکھتی ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں جس کے

اندر یہ خوبی ہے کہ اس کے الفاظ اس حقیقت اور فلسفہ کو بھی بیان کر دیتے ہیں جو مسمّٰی سے تعلق رکھتے ہیں یا جن کی مُسمّٰی سے امید کی جاتی ہے۔ ایک محاورہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ سچائی ہی دائمی زندگی کا موجب ہو جاتی ہے۔ صِـــدْق عربی زبان میں سچائی کو کہتے ہیں۔ جس طرح حق سچائی کو کہا جاتا ہے عربی زبان کا محاورہ ہے کہ جب کسی چیز کے دوام پر دلالت کرنا ہو تو اُسے صِـدْقٍ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں لَهٗ قَدَمُ صِدْقٍ جس کے لفظی معنے تو یہ ہیں کہ اسے سچائی کا قدم حاصل ہے۔ لیکن محاورہ میں اس کے یہ معنے ہیں کہ اسے وہ مقام حاصل ہے جو کبھی جاتا نہ رہے گا۔ اس محاورہ سے ظاہر ہے کہ عربی زبان میں یہ حقیقت لغوی طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ سچائی ہی دائمی زندگی بخشتی ہے اس لئے انہوں نے ہمیشہ رہنے کیلئے صِدْقٍ کا لفظ ہی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ پس اَلْحَقُّ کی صفت ہی ہے جس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اَور صفت یعنی رحیمیت اس کے بندوں کیلئے ظاہر ہو۔ تا کہ ان کی سچائی کا بدلہ انہیں ابدی زندگی کی صورت میں ملے۔ غرض اگر اللہ تعالیٰ اَلْحَقُّ نہ ہوتا تو الرَّحِیْمُ بھی نہ ہوتا۔ اسی طرح الرَّحْمٰن کی صفت لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ یعنی توحید کامل کے تابع ہے یعنی توحیدِ کامل رحمانیت کے ظہور کا موجب ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی اور بھی معبود ہوتا تو وہ ہرگز الرَّحْمٰن نہ ہوتا۔ کیونکہ الرَّحْمٰن کے معنے ہیں کہ وہ ہر چیز کی جائز ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ خواہ اس نے کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور یہ تبھی ہوسکتا ہے جب ایک ہی خدا ہو۔ اگر کئی خدا ہوں تو کسی کی ضرورت کوئی پوری کرے گا اور کسی کی کوئی۔ یا کوئی ضرورت کوئی پوری کرے گا اور کوئی ضرورت کوئی اَور۔

میں اپنے پچھلے خطبہ میں بتا چکا ہوں کہ توحید کامل کا لازمی نتیجہ رحمانیت ہے۔ جب کبھی توحیدِ کامل اپنا ظہور کرنا چاہے گی وہ رحمانیت کی صفت میں ہی انسانوں کے سامنے آئے گی۔ اس لئے کہ اگر ہماری ضرورتیں دو وجود پوری کرنے والے ہوں تو توحید کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔ اگر پانی کسی خدا نے دینا ہے اور روٹی کسی نے، تو توحید کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب ہم اپنی ہر ضرورت خدا تعالیٰ سے پوری ہوتے دیکھیں تو پھر ہماری عقل کہتی ہے کہ اس کے سوا کسی اور خدا کی ضرورت نہیں۔ تو رحمانیت جس کے معنی ہر انسانی ضرورت پورا کرنے کے سامان مہیا کرنے کے ہیں توحیدِ کامل کا نتیجہ ہے۔ یعنی توحید جب مخلوق کیلئے ظاہر ہوگی رحمانیت کے ذریعہ سے ہوگی۔ غرض یہ چاروں صفات جو سورۃ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں ان صفات کی تابع ہیں جو خدا تعالیٰ نے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا

تُرْجَعُوْنَ O فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ میں بیان کی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا کو کھیل کے طور پر نہیں بنایا بلکہ اس لئے بنایا ہے کہ ہم مٰلِکِ میں، ہم الحق ہیں، ہم لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہیں، ہم رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ہیں۔ گویا یہ چاروں صفات ہیں جنہوں نے تقاضا کیا کہ ہم اپنے آپ کو ظاہر کریں۔ پس ہم نے اپنے آپ کو ظاہر کیا مگر کس طرح رَبُّ العٰلمین کی صورت میں، الرحمٰن کی صورت میں، الرحیم کی صورت میں اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صورت میں اور یہ چاروں صفات جو سورۂ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں تنزّلی صفات ہیں۔ کیونکہ یہ بندوں سے تعلق پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی وہ رَبُّ العٰلمین تبھی ہوسکتا تھا جب عالَم موجود ہوا اور اس کی وہ ربوبیت کرے۔ کسی ایسے شخص کے متعلق جس کا کوئی بیٹا نہ ہو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنی اولاد کی نہایت اچھی پرورش کرتا ہے۔ پرورش کا لفظ اُسی وقت استعمال کیا جائے گا جب اُس کے بچے اور دیگر عزیز ہوں گے۔ پس رَبُّ العٰلمین ایک تنزّلی صفت ہے یعنی صفاتِ الٰہیہ کی وہ جہت ہے جو مخلوق سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح الرحمٰن ہونا بھی بندوں کے وجود کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسی مخلوق نہ ہو جس کو ضروریات لگی ہوئی ہوں تو اس کی ضرورت پورا کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور یہ صفت لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ کی اس جہت کا ظہور ہے جو بندوں سے متعلق ہے۔ پس الرحمٰن بھی تنزّلی صفات میں سے ہے۔ پھر رحیم جس کے معنے اچھے کاموں کا بدلہ دینے اور بار بار بدلہ دیتے چلے جانے کے ہیں جس کا نتیجہ انسان کیلئے ابدی زندگی ہے، یہ بھی تنزّل صفت ہے کیونکہ اس صفت کے ماتحت ضروری تھا کہ دنیا میں نیک کام کرنے والے لوگ ہوں۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو ابد سے ہے اور وہ اپنی ذات میں قائم ہے۔ اُس کا کسی کو قائم رکھنا اور اسے ہمیشہ کی زندگی دینا تبھی ظاہر ہوسکتا ہے جب ایسے لوگ ہوں جو فنا ہو جانے والے ہوں۔ لیکن باوجود ان کے فانی ہونے کے وہ ان کو قائم رکھے اور اس طرح الرحیم کہلائے۔ پس الرحیم کی صفت بھی الحق کے تابع ہے اور تنزّلی صفات میں سے ہے۔ یعنی وہ صفات جو مخلوق کے متعلق ہیں۔ اسی طرح مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہونا بھی بتاتا ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں الٰہی قانون جاری کیا جائے اور پھر اس قانون کے مطابق اس سے حساب لیا جائے اور پھر نیک کاموں پر جزاء اور بُرے کاموں پر سزا دی جائے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی ذات کے اندر ہی فیصلے کرتا رہتا ہے۔ فیصلہ تو بہرحال دوسروں کے معاملات کا ہی ہوتا ہے۔ پس مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی تنزّلی

صفات میں سے ہے۔یعنی جن کا ظہور مخلوق سے وابستہ ہے (یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ صفات میں سے وہ جو بِالبداہت کی ایک بِالفعل موجودات اور مخلوقات پر دلالت کرتی ہوں وہ تنزّلی صفات ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات میں ایک مخلوق کے وجود کو اور پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کو ظاہر کرتی ہیں۔گویا ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے عرش کریم سے اُترتا ہے تا اپنی مخصوص صفات کو بندوں کیلئے ظاہر کرے۔اور تنزیہی صفات وہ ہیں جو بِالبداہت کسی مخلوق کے وجود پر دلالت نہیں کرتیں اور ان کا خیال مخلوق کے خیال کے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے۔جیسے خدا تعالیٰ کا سچائی محض ہونا ہے یعنی اَلْحَقُّ ہونا یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہونا یا ایک لفظ سے یہ مفہوم ادا کیا جائے تو اس کا احد ہونا۔اسی طرح کامل الصفات ہستی کا مٰلِکِ ہونا، رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ہونا یا حي ہونا یا العظیم ہونا اور اسی طرح اور صفات ہیں جن کو ذہن میں لاتے ہوئے کسی مخلوق کی طرف ذہن کا انتقال ضروری نہیں ہوتا)۔غرض یہ چاروں صفات تشبیہی اور تنزّلی ہیں۔جن میں اللہ تعالیٰ کا فعل بہت حد تک بندوں کے افعال سے ملتا جلتا ہے اور ان کا ظہور ان چار صفات کے تقاضا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو آیت زیرِ تشریح میں بیان ہوئی ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجملاً ذکر کیا ہے کہ ان چار صفات نے انسانی پیدائش کا تقاضا کیا جس پر ہم نے انسان کو پیدا کیا نہ کہ بِلا وجہ اور فضول۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ جبکہ ان چاروں صفات کے نتیجہ میں انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کا پرتو ظلّی طور پر انسان پر پڑے ورنہ ان صفات کا ظہور انسان کے ذریعہ سے ہو نہیں سکتا۔چنانچہ میں جیسا کہ گزشتہ جمعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ چاروں صفات تنزّلی صورت میں انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔انسان کے اندر خدا تعالیٰ نے مٰلِک والی صفت بھی رکھی ہے۔جس کے نتیجہ میں وہ مٰلِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا مظہر بنتا ہے۔اس کے اندر الحق والی صفت بھی رکھی ہے۔وہ بھی سچ کو قبول کرتا اور سچائی کے مقابلہ میں دنیا کی ہر چیز کو بھول جاتا ہے۔پھر رحیمیت والی صفت بھی انسان کے اندر رکھی گئی ہے۔پھر خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہا تھا۔اس کی تنزّلی صورت یعنی رحیمیت بھی انسان میں پائی جاتی ہے۔پھر رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ کی تنزّلی صورت یعنی رب العٰلمین ہونا اس کا پرتو بھی انسانی روح پر پڑا ہے اور اس کا مظہر بننے کی قابلیت بھی اس میں موجود ہے۔غرض یہ چاروں صفات ایسی ہیں کہ اگر انسان چاہے تو وہ ان کا مظہر بن سکتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ کوئی

بنے یا نہ بنے۔ مگر خدا نے ہر شخص کو یہ قابلیت دے دی ہے اور وہ اگر چاہے تو **رب العٰلمین** ۔ **الرحمٰن** ۔ **الرحیم** اور **مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ** کی صفات کا مظہر ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص کہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ سو ایسے لوگوں کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ ملکیت کی قابلیت کا ہر انسان میں پیدا کیا جانا تو ظاہر ہی ہے اور اس صفت کا اتنا غلبہ ہے کہ دنیا میں نا قابل سے نا قابل انسان کو بھی مجازی طور پر بادشاہ بننے کی خواہش ہوتی ہے۔ بلکہ جتنا کوئی نا قابل ہوا تنا ہی اسے اپنا حکم چلانے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ مشورہ دینے کیلئے بے تاب رہتا ہے۔ پھر بادشاہت ایک نظام چاہتی ہے اور انسان بھی۔ **ملک** ہوکر قانون بناتا اور **مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ** ہوکر قاضی بنتا اور لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے اور ہر انسان اس نظام کی پابندی کیلئے مدنی الطبع بنایا گیا ہے۔

پھر انسان میں **الحق** کی صفات بھی موجود ہیں۔ چنانچہ انسان ہی وہ وجود ہے جو سچائی کو اس کی انتہائی حد تک پہنچا دیتا ہے اور سچائی کے قیام کیلئے اتنی عظیم الشان قربانی کرتا ہے جس کی مثال کسی اور مخلوق میں نہیں مل سکتی۔ اُمت محمدیہ میں ایسے کئی اولیاء ہوئے ہیں جنہوں نے سچائی کیلئے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں۔ خود ہماری جماعت میں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کا واقعہ موجود ہے۔ آپ کابل میں اس قدر رسوخ اور عزت رکھتے تھے کہ بادشاہ حبیب اللہ خان کو گدی پر بٹھانے کا کام انہی کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب وہ احمدی ہوئے اور اس کا علم بادشاہ کو اور باقی عمائد کو ہوا اور مولویوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تو بادشاہ کو چونکہ ان کے رسمِ تاجپوشی ادا کرنے کی وجہ سے ان کا ادب منظور تھا، اس لئے اُن کو بُلایا اور کہا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں میں اس پر اعتراض نہیں کرتا، لیکن چونکہ مولوی بہت شور مچاتے ہیں اس لئے آپ خاموشی اختیار کرلیں تا ملک میں جو شور برپا ہے وہ بند ہو جائے میں اس کے بدلہ میں آپ سے بہت کچھ حسن سلوک کروں گا۔ مگر انہوں نے حبیب اللہ خان کو صاف جواب دے دیا کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ مجھے خدا نے پہلے سے ہی میرا انجام بتا دیا ہے اور میں سچی بات کہنے سے کبھی رُک نہیں سکتا۔ اور جو بات مجھے حق دکھائی دیتی ہے وہ میں کسی کے کہنے سے نہیں چھپا سکتا۔ آخر علماء نے آپ کو سنگسار کرنے کا فیصلہ کر دیا اور اس کی تعمیل میں آپ کو میدان میں لے جایا گیا۔ اُس وقت بادشاہ نے مولویوں سے کہا کہ پہلے تم پتھر مارو، اس کے بعد میں ماروں گا کیونکہ اس کی سنگساری کا فتویٰ تم نے دیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ فعل سنگساری کے قابل ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا

کہ بادشاہ آپ ہیں پہلا پتھر آپ پھینکیں اس کے بعد ہم پھینکیں گے۔ بادشاہ نے کہا یہ ٹھیک ہے مگر شریعت کا تمہیں ہی علم ہے اور تمہارا ہی حق ہے کہ ابتدا کرو۔ میں تمہارا تابع ہوں گا کیونکہ مجھے علم نہیں کہ یہ سزا جائز ہے یا ناجائز۔ اسی دوران میں بادشاہ پھر مولوی عبداللطیف صاحب شہید کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دل میں بے شک جو چاہیں بات رکھیں لیکن ظاہر میں کہہ دیں کہ میں توبہ کرتا ہوں تا ملک میں جو شور ہے وہ دور ہو جائے۔ میں ان مولویوں سے کہہ دوں گا کہ انہوں نے توبہ کر لی ہے اور آپ سنگساری سے بچ جائیں گے۔ مگر انہوں نے فرمایا میں اِس قسم کی باتیں نہیں جانتا۔ خدا نے مجھے سچائی دی ہے اور میں اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تب بادشاہ نے مولویوں سے کہا کہ اب مجبوری ہے۔ یہ کسی طرح بھی ہماری بات نہیں مانتے، تم ان پر پتھر چلاؤ۔ چنانچہ انہوں نے چاروں طرف سے آپ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے۔ بعض دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جب آپ پر چاروں طرف سے پتھر برسائے جا رہے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ خدایا! میری قوم پر اپنا عذاب نازل نہ کرنا کیونکہ یہ جہالت سے یہ کام کر رہی ہے۔

یہ سچائی کا نمونہ ہے جو ہماری جماعت میں بھی موجود ہے اور اس سے پہلے اولیائے اُمت میں بھی اس کے بڑے بڑے نمونے موجود ہیں۔ بڑی عمر کے آدمیوں کو جانے دو سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی کو ہی دیکھو۔ وہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کی والدہ نے انہیں اپنے ماموں کے پاس ایک قافلہ کے ساتھ بھیجا۔ چونکہ ان دنوں سفر میں بہت کچھ مشکلات حائل تھیں اور ڈاکے بڑی کثرت سے پڑتے تھے اس لئے انہوں نے چالیس اشرفیاں ان کی گدڑی میں سی دیں تا اس سرمایہ سے وہ کوئی کام کر سکیں۔ یہ قافلہ جب ایک جنگل سے گزر رہا تھا تو اس پر بعض ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور اس کا سب سامان لُوٹ لیا۔ اتفاقاً کوئی ڈاکو ان کے پاس سے بھی گزرا اور ان سے پوچھا میاں کچھ تمہارے پاس بھی ہے؟ انہوں نے کہاں ہاں چالیس اشرفیاں میرے پاس موجود ہیں۔ وہ یہ سن کر حیران سا رہ گیا اور اسے ان کی بات پر یقین نہ آیا کیونکہ انہوں نے گدڑی پہنی ہوئی تھی اور غربت کے آثار ظاہر تھے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا مخول نہ کر تیرے پاس چالیس اشرفیاں کہاں سے آسکتی ہیں اور یہ کہہ کر وہ انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر کسی دوسرے ڈاکو نے ان سے یہی سوال کیا تو انہوں نے پھر یہی جواب دیا مگر اسے بھی ان کی بات پر یقین نہ آیا۔ آخر کسی نے

اپنے افسر سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو پکڑ کر لاؤ۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے افسر کے پاس لے گئے اور جب اس کے سامنے ان کی گدڑی پھاڑی گئی تو اس میں سے واقعہ میں چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ وہ ڈاکوؤں کا افسر سیّد عبدالقادر جیلانی صاحب سے کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا بیوقوفی کی کہ اپنی اشرفیوں کا ہمیں پتہ دے دیا۔ اگر تم کہہ دیتے کہ میرے پاس کچھ نہیں تو ہمیں تمہاری بات کا یقین آجاتا اور ہم میں سے کسی کا ذہن بھی اس طرف منتقل نہ ہوتا کہ تمہاری گدڑی میں اشرفیاں ہیں۔ وہ اُس وقت بہت چھوٹی عمر کے تھے، بعض کہتے ہیں بارہ تیرہ سال کی عمر تھی۔ مگر جب ڈاکوؤں کے سردار نے یہ بات کہی تو وہ کہنے لگے جب میری گدڑی میں اشرفیاں موجود تھیں تو میں کس طرح کہہ دیتا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ان کی اس بات کا ڈاکوؤں پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اُسی وقت ڈاکہ سے توبہ کی۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی پنجابی شاعر نے سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی کی تعریف میں کہا ہے کہ

ع　　چوروں قطب بنایا

غرض سچائی جب ایک بچہ کے دل میں بھی داخل ہو جاتی ہے تو اُسے ایسا دلیر بنا دیتی ہے کہ وہ تمام دنیا کے مقابلہ میں نڈر ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر جو ہمارے سردار اور آقا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں انہیں دیکھ لو۔ مکی زندگی میں ابوطالب جو آپ کے چچا تھے آپ کی بہت حفاظت کرتے تھے اور چونکہ وہ اپنی قوم کے سردار تھے اس لئے قریش مکہ رسول کریم ﷺ کو اس طرح دِق نہیں کر سکتے تھے جس طرح وہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ کو دِق کیا کرتے تھے۔ آخر جب رسول کریم ﷺ کے وعظ و نصیحت کو سُن سُن کر انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام بڑھتا جاتا ہے اور اگر اسے جلدی روکا نہ گیا تو اس کا مٹانا مشکل ہو جائے گا تو وہ سخت غیظ و غضب سے بھر گئے۔ اور وہ ایک وفد کی صورت میں ابوطالب کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمیں سخت دِق کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے بتوں کو گالیاں دیتا اور ایک خدا کا وعظ کرتا رہتا ہے۔ آپ اسے سمجھائیں کہ وہ ایسا نہ کرے اور اگر وہ نہ رُکے تو آپ اس سے الگ ہو جائیں اور ہم پر اس کا معاملہ چھوڑ دیں ہم خود اسے روک لیں گے اور اگر آپ ان سے الگ ہونے کیلئے تیار نہ ہوں تو مجبوراً ہمیں آپ کی سرداری کو بھی جواب دینا پڑے گا اور پھر اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ ابوطالب اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور جن قوموں کی قبائلی زندگی ہوتی ہے وہ اپنی سرداری کی بڑی قیمت سمجھتی ہیں۔ ابوطالب نے جب یہ بات سُنی تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے رسول کریم ﷺ کو بُلا کر کہا اے میرے بھتیجے!

اب قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھے ہلاک کر دیں اور ساتھ ہی مجھے بھی۔ میں نے ہمیشہ تیری حفاظت کی کوشش کی مگر آج میری قوم کے افراد نے مجھے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ یا اپنے بھتیجے سے الگ ہو جا اور اگر الگ ہونے کیلئے تیار نہیں تو ہم آپ کی سرداری کو بھی جواب دے دیں گے، اب ہم میں برداشت کی زیادہ طاقت نہیں رہی۔ ابو طالب کیلئے یہ ایک ایسا امتحان کا وقت تھا کہ باتیں کرتے کرتے انہیں رقت آ گئی اور ان کی تکلیف کو دیکھ کر رسول کریم ﷺ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔ مگر آپ نے فرمایا اے چچا! میں آپ کے احسانات کو بھول نہیں سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے میری خاطر بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ لیکن اے چچا! مجھے خدا تعالیٰ نے اس کام کیلئے مقرر کیا ہے۔ اگر آپ کو اپنی تکلیف کا خیال ہے تو اپنی پناہ واپس لے لیں۔ خدا نے مجھے سچائی دی ہے جسے میں کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر وہ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اُس تعلیم کو نہیں چھوڑ سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ملی ہے۔ یہ الفاظ کوئی معمولی الفاظ نہیں تھے۔ آج بھی یورپ کے معاند مؤرخین جب رسول کریم ﷺ کے واقعات لکھتے ہوئے اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صاحب جھوٹ بولنے والے نہ تھے اور انہیں اس تعلیم کی سچائی پر پورا یقین تھا جو وہ لائے تھے۔ پھر ابو طالب کا کیا حال ہوا ہوگا جس نے خود محمد ﷺ کی زبان سے یہ کلمات سُنے۔ ابو طالب مسلمان نہ تھے مگر جس وقت انہوں نے سچائی کے متعلق محمد ﷺ کا یہ یقین دیکھا تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ اے بھتیجے! مجھے قوم کی کوئی پرواہ نہیں میں تیرے ساتھ ہوں تُو شوق سے اپنا کام کرتا چلا جا۔[۳]

غرض اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر سچائی کا وہ مادہ رکھا ہے کہ سچائی پر قائم ہوتے ہوئے انسان کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ جانور بھی جھوٹ نہیں بولتا، جھوٹ صرف انسان کی ایجاد ہے۔ مگر جانور کا سچ بالکل اور قسم کا ہوتا ہے۔ اس کا سچ طبعی ہوتا ہے مگر انسان کا سچ ایمانی ہوتا ہے۔ اس لئے جو انسان راستباز ہوتا ہے وہ ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا کھڑا ہو جاتا ہے اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے مقابلہ میں ایک کروڑ آدمی ہیں یا دس کروڑ۔ وہ نظارہ دنیا کیلئے ایک حیرت انگیز نظارہ ہوتا ہے کہ ایک انسان کھڑے ہو کر ساری دنیا کو چیلنج کر رہا ہوتا ہے۔ مگر وہ کیا چیز ہے جو اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس کے پیچھے صرف حق ہوتا ہے جس کی طاقت پر وہ ساری دنیا کو للکارتا ہے۔ غرض یہ خاصیت اللہ تعالیٰ نے انسان کے

اندر پیدا کی ہے کہ وہ سچائی کا کامل نمونہ ہوتا ہے۔

پھر الحق کے دوسرے معنی دنیا کو قائم رکھنے والے کے ہیں اور اس کا بہترین نمونہ بھی انبیاء علیہم السلام کا وجود ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا غضب دنیا کے گناہوں کی وجہ سے بھڑکنے والا ہوتا ہے تو اُس وقت خدا تعالیٰ کا الحق ہونا فوراً اپنے نبی کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے اور کہتا ہے اس وجود کے ہوتے ہوئے میں اس دنیا کو کیونکر تباہ کردوں۔ پس ان کا وجود دنیا کیلئے ایک حرز اور تعویذ ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے دنیا بہت سے مصائب اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بننے سے محفوظ رہتی ہے۔ اسی طرح لَآاِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ہے۔ یہ توحید کا مقام بھی ایسا ہے کہ جو شخص اس مقام کو دیکھ لیتا ہے خود توحید کے مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آپ کہیں گے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظہر ہو جائے۔ مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا سمجھنا آپ لوگوں کیلئے مشکل ہو۔ بالکل قریب زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الہام نازل ہو چکا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ [۴] کہ اے مسیح موعود! تیرا میرے ساتھ وہی تعلق ہے جو توحید کا مجھ سے تعلق ہے۔ گویا تو لَآاِلٰـهَ اِلَّا هُوَ کا مظہر ہے اور مجھے لَآاِلٰـهَ اِلَّا هُوَ پیارا ہے۔ اسی طرح مجھے تُو پیارا ہے۔ تو توحید کے مقام کے یہ معنے ہیں کہ جس مقام پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ اب دنیا میں میرا پیارا صرف ایک ہی وجود ہے اس کے سوا میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہ وہی بات ہے جو بعض احادیث قدسیہ میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ [۵] کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ساری دنیا تیری مٹھی میں آگئی ہے۔ جدھر تیرا ہاتھ اُٹھے گا اُدھر ہی میرا ہاتھ اُٹھے گا۔ جدھر تیری نظر ہوگی اُدھر ہی میری نظر ہوگی۔ یہ توحید کا مقام ہے جو اصل مقام تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لیکن ظلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ پھر یوں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے مظہر تھے کہ جیسی توحید محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی ایسی توحید قائم کرنا تو الگ رہا کسی دوسری قوموں نے اِس رنگ میں توحید کو سمجھا بھی نہیں۔ یہ اس تفصیل کا موقع نہیں ورنہ میں بتاتا ہے کہ دنیا نے توحید کو سمجھا ہی نہیں۔ توحید وہی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ پھر یہ بھی توحید کا مقام تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدِ وُلدِ آدم تھے یعنی دنیا کے تمام انسانوں میں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور آئندہ بھی کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جننا جو آپ کے درجہ کی بلندی کو پہنچ سکے۔ پھر اس لحاظ سے بھی آپ توحید کے مقام پر تھے کہ خدا تعالیٰ کے حضور اُس کی توحید سے آپ نے ایسا تعلق قائم کیا کہ دنیا وَمَافِیْهَا

آپ کی نظروں سے غائب ہو گئے اور خدا ہی خدا آپ کو نظر آنے لگ گیا۔ گویا ایک آپ کا وجود تھا اور ایک خدا کا۔ انسانی وجودوں میں سے واحد وجود آپ کا تھا اور خدا تو ایک ہے ہی۔ اور پھر اس لحاظ سے بھی آپ توحید کے مقام پر تھے کہ توکّل کا اعلیٰ مقام آپ کو حاصل تھا اور آپ کی نظر خدا کے سوا اور کسی کی طرف نہ اُٹھتی تھی۔

پھر صفت ربّ العٰلمین کا مادہ بھی خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیا اور اسے اتنا وسیع کیا، اتنا وسیع کیا کہ ہر ماں اور ہر باپ اپنے بچہ کی ربوبیت کر رہا ہے۔ پھر محمد ﷺ کو دیکھو تو تمہیں نظر آئے گا کہ آپ اس صفت کے کامل مظہر تھے اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے احسان سے باہر رہ گئی ہو۔ مخلوق میں سے اہم جنس حیوان ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انسانوں پر رحم کیا بلکہ آپ کے دائرہ شفقت میں دوسرے حیوانات بھی آ گئے اور آپ نے ان کی بہتری کیلئے اپنی اُمت کو کئی احکام دیئے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ آزاد جانور کو باندھ کر مت رکھو اور اگر باندھ کر رکھتے ہو تو ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ اس حکم کے ماتحت ہر شخص جو کسی جانور کو اپنے گھر میں باندھ کر رکھتا ہے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ اسے کھانے پینے کیلئے دے اور اگر نہیں دے گا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔[6] پھر جانوروں پر آپ نے اس قدر رحم کیا کہ فرمایا کسی جانور کو کسی دوسرے جانور کے سامنے ذبح مت کرو تا اسے تکلیف نہ ہو۔[7] کسی جانور کو کند چھری سے ذبح نہ کرو۔[8] اسی طرح جانور کو باندھ کر نشانہ بنانے سے منع کیا۔[9] جانور پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے روکا۔[10] اسی طرح منہ پر داغ دینے کی ممانعت کی اور فرمایا اگر داغ لگانا ہی ہو تو پیٹھ پر لگاؤ۔[11] غرض جو فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانوروں کیلئے مقرر ہیں ان کے سوا باقی ہر قسم کی تکلیف سے آپ نے انہیں محفوظ کر دیا اور پھر جو زیادہ سے زیادہ رحم جانوروں پر کیا جا سکتا تھا وہ بھی آپ نے کیا اور فرمایا جو جانور پالتو نہیں دانے وغیرہ چگتے رہتے ہیں اُن کو دانے وغیرہ ڈال دینا بھی ثواب کا موجب ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ایک شخص تھا جو جانوروں کو دانے ڈالا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ نیکی ایسی پسند آئی کہ اس نے اسی نیکی کے عوض اسے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔[12]

غرض آپ کے احسانات سے حیوانات بھی باہر نہیں اور انسان باہر نہیں۔ انسانوں میں سے مرد اور عورت کو لے لو۔ پہلی قوموں نے مردوں کے متعلق بے شک قوانین تجویز کئے تھے مگر عورتوں کے حقوق

کا انہوں نے کہیں ذکر نہیں کیا تھا۔ رسول کریم ﷺ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے یہ تعلیم دی کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [۱۳] جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح عورتوں کے بھی بہت سے حقوق ہیں جو مردوں کو ادا کرنے چاہئیں۔ پھر ہر شعبہ زندگی میں عورت کی ترقی کے راستے آپ نے کھولے۔ اسے جائداد کا مالک قرار دیا، اس کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھا، اس کی تعلیم کی نگہداشت کی، اس کی تربیت کا حکم دیا اور پھر فیصلہ کر دیا کہ جس طرح جنت میں مرد کیلئے ترقیات کے غیر متناہی مراتب ہیں اسی طرح جنت میں عورتوں کیلئے بھی غیر متناہی ترقیات کے دروازے کھلے ہیں۔ پھر مردوں کی مختلف شاخیں ہیں۔ کبھی مرد بحیثیت باپ ہوتا ہے، کبھی مرد بحیثیت بھائی ہوتا ہے، کبھی مرد بحیثیت بیٹا ہوتا ہے اور کبھی مرد بحیثیت خاوند ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کبھی بحیثیت ماں ہوتی ہے، کبھی بحیثیت بیٹی ہوتی ہے، کبھی بحیثیت بہن کے اور کبھی بحیثیت بیوی کے۔ پھر مرد کبھی معلم ہوتا ہے کبھی متعلم۔ عورت بھی کبھی معلّمہ ہوتی ہے اور کبھی متعلّمہ۔ پھر عورت کبھی دودھ پلانے والی ہوتی ہے اور کبھی دودھ پینے والی۔ کبھی مرد دودھ پلوانے والا ہوتا ہے اور کبھی خود دودھ پینے والا یعنی چھوٹا بچہ ہوتا ہے۔ پھر مرد عورت خریدار بھی ہوتے ہیں اور بیچنے والے بھی ہوتے ہیں۔ وہ محنت کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور مزدوری دینے والے بھی ہوتے ہیں۔ معاہدہ کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور معاہدہ لینے والے بھی ہوتے ہیں۔ حاکم بھی ہوتے ہیں اور محکوم بھی ہوتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی زندگی مردوں سے بھی تعلق رکھتی ہے اور عورتوں سے بھی۔ ان تمام شعبوں میں خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے ذریعہ مردوں کو بھی احکام دیئے اور عورتوں کو بھی۔

پھر انسانوں میں قوموں، مذہبوں اور حکومتوں کے تفاوت کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ مگر جہاں گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہوتی ہے، جہاں کوئی کسی کی پرواہ نہیں کرتا وہاں محمد ﷺ کے ذریعہ یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ بے شک میرے ماننے والے مسلمان ہیں اور نہ ماننے والے کافر مگر دیکھو میں **رب العٰلمین** کا مظہر ہوں۔ دیکھنا ان کفار میں سے کسی عورت کو نہ مارنا، دیکھنا ان میں سے کسی بچے کو نہ مارنا، دیکھنا ان کے کسی پنڈت، پادری یا راہب کو قتل نہیں کرنا، دیکھنا باغات نہ جلانا، معبد نہ گرانا، پھل دار درخت نہ کاٹنا۔ دیکھنا جھوٹ اور فریب سے کام نہ لینا، دیکھنا کسی

ایسے شخص کو قتل نہیں کرنا جس نے تمہارے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔ دیکھنا زخمی کو نہ مارنا، دیکھنا کسی کو آگ سے عذاب نہ دینا، دیکھنا کفار کا مثلہ نہ کرنا اور ان کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا۔ یہ سب احکام جو رسول کریم ﷺ نے دیئے یہ مسلمانوں کیلئے تو نہیں تھے، یہ کفار کیلئے تھے۔ آخر مسلمانوں نے مسلمانوں کے ناک، کان اور ہاتھ نہیں کاٹنے تھے انہوں نے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر آگ میں نہیں جلانا تھا۔ وہ اگر مثلہ کر سکتے تھے یا آگ سے عذاب دے سکتے تھے تو کافروں کو۔ پس یہ احکام مسلمانوں کی خیر خواہی کیلئے نہیں تھے بلکہ کفار کی خیر خواہی کیلئے تھے اور ان کے آرام اور بچاؤ کیلئے یہ سب سامان تھے۔ گویا تمثیلی زبان میں اگر ہم ان واقعات کو بیان کریں تو اس کا نقشہ یوں کھینچا جا سکتا ہے کہ مسلمان ایک لمبے عرصہ تک کفار کے مظالم برداشت کرنے کے بعد جب تلواریں سونت کر کفار پر حملہ آور ہوئے تو وہی محمد ﷺ جو مسلمانوں کو کفار سے لڑا رہے تھے، کیا دکھائی دیتا ہے کہ دشمنوں کے آگے بھی کھڑے ہیں اور مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان پر یہ سختی نہ کرو، وہ سختی نہ کرو۔ گویا محمد ﷺ صرف مسلمانوں کے لشکر کی ہی کمان نہیں کر رہے تھے بلکہ آپ کفار کے لشکر کی بھی کمان کر رہے تھے اور اُسے بھی مسلمانوں کے حملہ سے بچا رہے تھے۔ پس لڑائیوں میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفت ربّ العٰلمین کا مظہر ہونے کا ثبوت نظر آ رہا ہے۔

پھر غلاموں پر بھی آپ نے احسان کیا اور فرمایا جو شخص کسی غلام کو مارتا ہے وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا فدیہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔ آپ نے فرمایا اپنے غلام سے وہ کام نہ لو جو وہ کر نہیں سکتا اور اگر زیادہ کام ہو تو خود ساتھ لگ کر کام کراؤ۔ اور اگر تم اس کیلئے تیار نہیں تو تمہارا حق نہیں کہ اس سے کام لو۔ اسی طرح اگر غلام کیلئے تمہارے منہ سے کوئی گالی نکل جاتی ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اسے فوراً آزاد کر دو۔ غرض مزدور اور آقا کے لحاظ سے بھی آپ نے صفت رب العٰلمین کا مظہر بن کر دنیا کو دکھا دیا۔ آپ نے ایک طرف مزدور کو کہا کہ اے مزدور تُو حلال کما اور محنت سے کام کر۔ اور دوسری طرف آقا سے کہا کہ اے محنت لینے والے! تُو حد سے زیادہ اس سے کام نہ لے اور اس کا پسینہ سُوکھنے سے پہلے اس کی مزدوری اسے دے۔ اسی طرح تجارتوں کے متعلق اور لین دین کے معاملات کے متعلق بھی رسول کریم ﷺ نے احکام دیئے ہیں اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر رسول کریم ﷺ کا کوئی احسان نہ ہو۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ موجودہ لوگوں پر تو رسول کریم ﷺ نے یہ احسانات کئے، آپ کے پہلوں پر کیا احسان ہیں؟ سو ایسے لوگوں کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے احسانات نہ صرف موجودہ نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں پر ہیں بلکہ ان لوگوں پر بھی جو آپ سے پہلے گزر چکے۔ آپ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں تمام انبیاء پر مختلف قسم کے الزامات لگائے جاتے تھے۔ تم مجھے ایک ہی نبی ایسا بتادو جس پر کوئی الزام نہ لگایا گیا ہو۔ ہر نبی پر الزام لگا اور انہی قوموں نے ان پر الزام لگایا جو ان انبیاء کو ماننے والی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی الزام لگا، حضرت داؤد علیہ السلام پر بھی الزام لگا، حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی الزام لگا اور عیسائیوں نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ سب نبی چور اور بٹ مار تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نیکی بھی ان کی نگاہ میں کیا تھی۔ انہوں نے منہ سے تو کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے گناہ تھے مگر تفصیلات میں وہ ان پر الزام لگانے سے بھی باز نہیں آئے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ کسی کا گدھا بے پوچھے لے گئے اور اس پر سواری کرتے پھرے۔ لوگوں کو گالیاں دیتے تھے اور انہیں حرام کار اور بدکار کہتے تھے۔ وہ لوگوں کے گناہ اُٹھا کر صلیب پر لٹک گئے اور اس طرح نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ لعنتی بنے اور تین دن دوزخ میں رہے۔ وہ لوگوں کے سوروں کے گلے بغیر ان کے مالکوں کو کوئی قیمت دینے کے تباہ کر دیا کرتے تھے۔ یہ سب باتیں مسیحی کتب میں لکھی ہیں۔ پھر ہندوؤں کو لے لو۔ وہ حضرت کرشن اور حضرت رام چندر کو اپنا اوتار مانتے ہیں۔ مگر رام چندر جی کا سیتا سے جو سلوک بیان کرتے ہیں وہ اگر ایک طرف رکھ لیا جائے اور دوسری طرف ان کی بزرگی اور نیکی دیکھی جائے تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اتنا بڑا ظلم کیا ہو۔ مگر وہ حضرت رام چندر کی طرف بے دریغ یہ ظلم منسوب کرتے جاتے ہیں۔ پھر حضرت کرشنؑ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مکھن چرا چرا کر لے جایا کرتے تھے حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ غرض تمام انبیاء پر بیسیوں الزامات لگائے جاتے تھے۔ یہ صرف محمد ﷺ کی ہی ذات ہے جس نے تمام انبیاء سے ان اعتراضات کو دُور کیا اور بتلایا کہ یہ لوگ نیک، پاک اور راستباز تھے۔ ان پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔

پس رسول کریم ﷺ نے نہ صرف موجودہ اور آئندہ نسلوں پر احسان کیا بلکہ پہلے لوگوں پر بھی احسان کیا جو وفات پا چکے تھے اور ان کی قوموں پر بھی احسان کیا۔ جب ایک یہودی کو بتا دیا جائے کہ تمہارے بزرگ تمام نقائص سے پاک تھے تو اس کی گزشتہ تاریخ کتنی صاف ہو جاتی ہے اور وہ کیسی خوشی

کے ساتھ ان بزرگوں کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ یہی حال عیسائیوں کا ہے اور یہی حال دوسری قوموں کا ہے۔ پس رسول کریم ﷺ نے نہ صرف اپنی قوم کی ترقی کے راستے کھولے بلکہ دوسری قوموں کی روایات کو بھی صاف کیا اور ان کے سامنے بھی ان کے بزرگوں کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جن کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے وہ عظیم الشان ترقی کر سکتے ہیں۔

پھر آپ نے ملائکہ پر بھی احسان کیا۔ طرح طرح کے الزام تھے جو ان پر لگائے جاتے تھے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ [۱۴] کہ ملائکہ گنہگار نہیں ان کے اندر خدا تعالیٰ نے انکار کا مادہ ہی نہیں رکھا۔ انہیں جو بھی حکم ہے اس کی وہ اطاعت کرتے ہیں۔ پس ان پر کسی قسم کا الزام لگانا اور یہ کہنا کہ انہوں نے بھی فلاں گناہ کیا سخت ظلم ہے۔

پھر رسول کریم ﷺ نے دنیا کے ہر گنہگار پر احسان کیا اور اس کے دل کو خوشی سے لبریز کر دیا۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے ساری دنیا یہ کہا کرتی تھی کہ گنہگار ہمیشہ کے دوزخ میں گرائے جائیں گے اور جو شخص ایک دفعہ جہنم میں چلا گیا پھر وہ وہاں سے نہیں نکل سکے گا۔ گویا دنیا گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرتی تھی اور توبہ کا دروازہ اس پر بند بتلاتی تھی۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا انسان کتنا ہی گنہگار ہو جائے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کرنے کیلئے تیار ہے۔ بیشک گنہگاروں کے گناہ بہت بڑے ہیں مگر خدا تعالیٰ کا رحم اس سے بھی بڑا ہے۔ پس تم اس بات سے مت گھبراؤ کہ تم گناہوں میں ملوث ہو، تم توبہ کرو کہ خدا آج بھی تمہیں معاف کرنے کیلئے تیار ہے۔ کتنی امید ہے جو گنہگاروں کے دلوں میں رسول کریم ﷺ نے پیدا کر دی۔ کتنی اُمنگ ہے جو آپ نے ان کے قلوب میں پید کر دی۔ غرض ربّ العٰلمین کی صفت اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ محمد ﷺ میں ظاہر ہوئی اور ان سے اُتر کر اُمت محمدیہ کے اور بہت سے اولیاء وصلحاء میں ظاہر ہوئی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

غرض یہ چاروں صفات جو اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں انہی کے ماتحت دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ اگر قانون نہ ہو اور پھر اس قانون کا نفاذ نہ ہو تو ہرگز امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر صحیح رنگ میں تربیت نہ ہو اور اہلی اور عائلی زندگی درست نہ ہو تب بھی امن مفقود ہوتا ہے اور کبھی سچی راحت انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں محض حکومت کے قوانین کی پابندی سے امن قائم نہیں ہوتا بلکہ امن اُس وقت ہوتا ہے جب انسان کی اہلی اور عائلی زندگی ہر قسم کے جھگڑوں اور مناقشات سے پاک ہو۔ تم چوری

نہیں کرتے، تم ڈاکہ نہیں ڈالتے، تم قتل اور خونریزی کے مرتکب نہیں ہوتے اور یہی چیز ہے جو حکومت تم سے چاہتی ہے۔ اسی طرح اگر تم لوگوں کا مال نہیں لُوٹتے تو حکومت کے قانون کی نظر میں تم پُرامن ہو لیکن اگر گھر میں تمہاری روزانہ لڑائی رہتی ہے تو حکومت کا کوئی قانون ایسا نہیں جو تمہیں اس لڑائی سے روکے۔ لیکن کیا اس لڑائی کو دور کئے بغیر امن ہوسکتا ہے؟ اگر میاں بیوی کے تعلقات اچھے نہیں اور اگر ان تعلقات کو اچھے رکھنے کے ذرائع موجود نہیں تو دنیا کی پُرامن سے پُرامن حکومت بھی افراد کیلئے پُرامن نہیں ہوسکتی۔ حکومت اپنے نظام سے یہ کردے گی کہ بازاروں میں قتل و خونریزی کو روک دے، وہ سرحدوں پر امن قائم کرسکتی ہے مگر وہ گھروں میں امن قائم نہیں کرسکتی۔ اگر دنیا میں مائیں اپنے بچوں کی اچھی تربیت نہ کریں اور بچے اپنی ماؤں سے حسن سلوک نہ کریں۔ بھائی اپنی بہنوں سے محبت نہ کریں اور بہنیں اپنے بھائیوں سے عمدہ سلوک نہ کریں تو کیا کوئی حکومت ہے جو اس میں دخل دے سکے؟ کبھی کوئی حکومت اس میں دخل نہیں دے گی۔ مگر کیا کبھی اس کے بغیر امن قائم ہوسکتا ہے۔ تم بہتر سے بہتر قانون بنادو اور تعزیراتِ ہند تو کیا چیز ہے اس سے بھی اعلیٰ تعزیرات مقرر کردو، بہتر سے بہتر افسروں کا انتخاب کرو، اعلیٰ سے اعلیٰ فوجیں تیار کرو جو دشمنوں کو سرحدوں پر ہی روک دیں اور اسے آگے بڑھنے نہ دیں۔ تم دیانتدار سے دیانتدار پولیس کے آدمی مقرر کرو لیکن اگر گھر میں بھائی بہن ناراض ہیں یا باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے ناراض ہے، خاوند بیوی سے اور بیوی خاوند سے خفا ہے تو کوئی قانون اس ناراضگی کو دور نہیں کراسکتا۔ اور جب تک یہ ناراضگی دور نہ ہو کوئی قانون گھروں میں امن اور دلوں میں اطمینان پیدا نہیں کرسکتا۔ نہ محبت قائم ہوسکتی ہے نہ صلح اور آشتی ہوسکتی ہے۔ نہ راحت میسر آسکتی ہے نہ آرام حاصل ہوسکتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے وزراء و امراء اور افسروں کی موجودگی کے باوجود عائلی اور اہلی زندگی کی خرابی اطمینان اور امن کو مٹا دیتی ہے۔ ہاں جب تربیت صحیح ہو اور اہلی اور عائلی زندگی درست ہو تو پھر یہ دونوں چیزیں مل کر ایک حد تک امن قائم کرسکتی ہیں لیکن پھر بھی پورا امن قائم نہیں ہوسکتا جب تک انسان کے اندر یہ اطمینان پیدا نہ ہو کہ میری زندگی عبث اور فضول نہیں۔ بے شک تم دنیا کا نظام اعلیٰ سے اعلیٰ بنادو، بے شک تم اپنی فوجوں کو مضبوط بنادو، بے شک اپنی طاقت کو اِس قدر بڑھا لو کہ کوئی دشمن تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرسکے، بے شک تمہاری پولیس نہایت ہوشیار اور فرض شناس ہو۔ پھر بے شک تمہاری اہلی زندگی بھی ہر قسم کی خلش سے پاک ہو۔ بیوی خاوند کی عاشق ہو تو خاوند بیوی کا، بے شک ہمسایہ ہمسایہ کی

خبر گیری کرنے والا ہو، بے شک اُستاد شاگرد سے محبت رکھتا ہو اور شاگرد استاد کی عظمت پہچانتا ہو، بیشک تاجر دیانتداری سے سَودا دیتے ہو اور بے شک ہر قسم کے آرام اور ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہوں لیکن اگر انسان کے دل میں یہ خلش موجود ہو کہ وہ کیوں پیدا کیا گیا اور اس کا کیا انجام ہے تو پھر بھی دنیا میں کبھی حقیقی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اس خلش کو دور کرنے کیلئے جب تک محمد ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم انسان کے سامنے پیش نہ کی جائے، جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے اس کے سامنے نہ رکھ دیئے جائیں، جب تک ہم اُسے یہ بتا نہ دیں کہ یہی زندگی اس کا اصل مقصود نہیں۔ بلکہ اصل زندگی وہ ہے جب وہ مرنے کے بعد اپنے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا اور خدا اُسے کہے گا کہ فَادْخُلِیْ فِی عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [۱۵] کہ اے میرے بندے میں نے تجھے بے انتہاء انعامات دینے ہیں۔ میں نے تیری روح ہمیشہ قائم رکھنی ہے۔ بے شک تیری دُنیوی زندگی ہزاروں مایوسیوں، ہزاروں ناکامیوں اور ہزاروں بیماریوں کی آماجگاہ تھی لیکن یاد رکھ کہ وہی تیری زندگی نہیں تھی بلکہ اصل زندگی وہ ہے جو اَب تجھے میں دیتا ہوں اور جو ہر قسم کی تکلیفوں اور ہر قسم کی ذلتوں اور ہر قسم کے تنزّل سے محفوظ ہے۔ آ اور اب میری جنت میں داخل ہو جا اُس وقت تک اس کا دل اطمینان حاصل نہیں کرسکتا۔ ہاں جب یہ خیال کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی عبث نہیں بلکہ یہ ایک اور عظیم الشان زندگی کا پیش خیمہ ہے اور اصل زندگی وہ ہے جو میری موت کے بعد شروع ہوگی۔ تب وہ اپنے دل میں حقیقی اطمینان اور حقیقی امن محسوس کرتا ہے اور اُس وقت وہ صرف اپنی پیدائش پر ہی خوش نہیں ہوتا بلکہ اپنی موت پر بھی خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ موت اس لئے نہیں کہ مجھے تباہ کرے بلکہ اس لئے کہ وہ مجھے چھوٹی جگہ سے اٹھا کر ایک بلند مقام پر پہنچا دے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا کہ کوئی شخص تحصیلدار سے ای اے سی ہو گیا ہو یا ڈپٹی کمشنر سے کمشنر ہو گیا ہو یا کمشنر سے فنانشل کمشنر ہو گیا ہو یا فنانشل کمشنر نے گورنر ہو گیا ہو اور وہ بجائے خوش ہونے کے رونے لگ گیا ہو۔ اسی طرح مومن اپنی موت پر روتا نہیں بلکہ خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے انعامات ملنے کا وقت آ گیا۔ لیکن جو شخص روتا ہے وہ اس لئے روتا ہے کہ اس نے زندگی محض دُنیوی حیات کو سمجھ رکھا تھا اور اس نے دیکھا کہ اس زندگی کا بیشتر حصہ ناکامی اور بدمزگی میں گزر گیا اور اسے کچھ بھی لُطف نہ آیا۔ مگر جو شخص جانتا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی ایک امتحان کا کمرہ ہے۔ وہ اس کمرہ سے نکلتے وقت خوشی محسوس کرتا ہے۔ جس طرح وہ لڑکا جو اچھے پرچے کر کے آتا ہے خوش ہوتا ہے، اسی طرح مومن جب

دنیا کے امتحان کے کمرہ سے اچھے پرچے کر کے نکلتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے ایک رحیم ہستی میرے سامنے ہے جس نے مجھ سے بے انتہا انعامات کا اقرار کیا ہوا ہے۔ اب میں اس کے پاس جاؤں گا اور اس سے انعام لوں گا۔ جیسے یونیورسٹی کی ڈگریاں لینے کیلئے جب طالب علم جاتے ہیں تو وہ بھڑ کیلے لباس اور گاؤن وغیرہ پہن کر جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے عظیم الشان فضلوں پر ایمان رکھتا ہے جب مرنے لگتا ہے تو اُس کا دل بلیوں اُچھل رہا ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں اپنے ربّ کے پاس ڈگری لینے چلا ہوں، میں اپنے رب سے انعام لینے چلا ہوں۔ جب تک یہ امید انسان کے دل میں پیدا نہیں ہوتی اُس وقت تک دنیا میں کبھی بھی حقیقی امن قائم نہیں ہوسکتا۔

غرض انسان میں اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان قابلیتیں رکھی ہیں اور اس کا یہ فرض مقرر کیا ہے کہ وہ ان چار صفات کا مظہر بنے۔ مگر یہ کام ہو نہیں سکتا جب تک ایک نظام نہ ہو۔ اسی نظام کو قائم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو بھیجتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ ایسی حکومت قائم کرے جن کے افراد انہی صفات کے مالک ہوں جو اُس نے بیان کی ہیں۔ پس جب تک کوئی شخص ان تمام ذمہ واریوں کو سمجھ کر مذہب قبول نہیں کرتا اُس وقت تک اس کا مذہب میں شامل ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ اور اسے بعض دفعہ ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ اس کی زندگی محض ایک لطیفہ بن کر رہ جاتی ہے۔

تھوڑے ہی دن ہوئے میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس میں ایک لطیفہ آ گیا۔ لکھا تھا کہ ایک شخص نے جو سخت بھوکا تھا یک دفعہ چند لوگوں کو جو اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہیں جاتے دیکھا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ غالباً دعوت پر جا رہے ہیں میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ جب یہ کھانا کھانے لگیں گے تو میں بھی وہیں سے کھانا کھالوں گا۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جاتے جاتے وہ بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور انہوں نے اس کی تعریف میں قصائد پڑھنے شروع کر دیئے۔ تب اُسے پتہ لگا کہ یہ تو شاعر ہیں اور اپنے اپنے قصائد سنانے آئے ہیں۔ چنانچہ ہر شاعر نے اپنی اپنی باری پر اُٹھ کر قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔ یہ اب سخت حیران ہوا کہ میں کیا کروں۔ شعر کہنے کی اس میں قابلیت نہیں تھی مگر طبیعت لطیفہ سنج تھی۔ جب سب شاعر اپنے اپنے قصائد سنا چکے اور بادشاہ سے انعام لے کر گھروں کو روانہ ہو گئے تو بادشاہ اُس سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اب آپ قصیدہ شروع کریں۔ یہ کہنے لگا حضور! میں شاعر نہیں ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں! وہ کہنے لگا حضور میں وہی ہوں جس کا

قرآن کریم میں اس طرح ذکر آتا ہے کہ وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ [16] کہ شاعروں کے پیچھے غاوی آیا کرتے ہیں۔ وہ شاعر تھے اور میں غاوی ہوں۔ قرآن کریم کی اس آیت کا تو یہ مطلب ہے کہ شاعروں کے پیچھے چلنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ شاعر کوئی حقیقت بیان نہیں کرتے۔ کبھی رنج کی بات پر شعر کہہ دیں گے، کبھی خوشی کی بات پر، کبھی کچھ کہہ دیتے ہیں کبھی کچھ۔ ان کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ تو ایسے لوگوں کے پیچھے چلنے والے غاوی ہی ہوتے ہیں۔ نیک آدمی جو حقیقت کا متلاشی ہوتا ہے شعراء کے پیچھے نہیں جاتا۔ لیکن اُس نے اپنی بات میں لطیفہ پیدا کرنے کیلئے کہا کہ شاعروں کے پیچھے غاوی آیا کرتے ہیں، آپ مجھے غاوی سمجھ لیجئے۔ بادشاہ کو اُس کا یہ لطیفہ پسند آ گیا اور اُس نے حکم دے دیا کہ اسے بھی کچھ انعام دے دیا جائے۔ یہ تو ایک لطیفہ ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسا آدمی جو مذہب کی حقیقت کو سمجھ کر مذہب میں شامل نہیں ہوتا، غاوی ہی ہوتا ہے۔ وہ چند مسائل سنتا ہے اور سمجھتا ہے کہ احمدیت انہی چند مسائل کو مان لینے کا نام ہے۔ وہ مسلمان ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ مسلمان ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لیا جائے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تفسیر سارا قرآن ہے۔ اس سارے قرآن پر عمل کئے بغیر وہ کس طرح مسلمان ہوسکتا ہے۔ جس طرح انسان کسی ایک عضو کا نام نہیں بلکہ انسان مجموعہ ہے ناک کا، کانوں کا، آنکھوں کا، منہ کا، گردن کا، سر کا، سینہ کا، دھڑ کا، ہاتھوں کا اور پاؤں وغیرہ کا اور ان میں سے کوئی چیز الگ نہیں ہوسکتی۔ نہ ہاتھ الگ ہوسکتے ہیں نہ پاؤں الگ ہوسکتے ہیں۔ نہ سر الگ ہوسکتا ہے نہ دھڑ الگ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نے سے بے شک انسان کو مسلمان کا نام حاصل ہو جاتا ہے مگر یہ ایسا ہی نام ہے جیسے اعضاء کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ جس طرح ان اعضاء کے بغیر انسان نہیں، اسی طرح ان تفاصیل کے بغیر اسلام نہیں۔ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ایک مفرد شئے نہیں بلکہ وہ چار اعضائے روحانی کا نام ہے۔ المَلِک کے بروز کا اور الحق کے بروز کا اور توحید کے بروز کا اور ربوبیت کے بروز کا۔ یعنی انسان کو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا تب کہا جاسکتا ہے جب وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِیْمِ اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا مظہر ہو۔ اگر کوئی شخص ان صفات کو اپنے اندر پیدا نہیں کرتا اور محض زبان سے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے چلا جاتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی ایسی چیز کو آدمی آدمی کہتا رہے جس کا نہ دل ہو نہ دماغ ہو نہ منہ ہو۔ یہ لوگ بھی گویا غاوی ہوتے ہیں جو احمدیت

میں داخل تو ہو جاتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ احمدیت میں داخل ہونے کے کیا اغراض و مقاصد ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان پر کس قدر ذمہ واریاں عائد ہونے والی ہیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ احمدیت میں داخل ہو کر ہمیں اِس دنیا میں کچھ انعام مل جائے گا اسی لئے جب انہیں کوئی کام بتایا جاتا ہے، جب ان پر کوئی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ خیال نہیں تھا کہ احمدیت میں داخل ہو کر اِس قدر بوجھ پڑ جائیں گے۔ ہم نے تو سمجھا تھا کہ ہم جب احمدی ہو گئے تو ہمیں انعام مل جائے گا۔ حالانکہ جس دن وہ احمدیت میں داخل ہوئے تھے وہ اِس لئے نہیں ہوئے تھے کہ ان میں انعام تقسیم کیا جائے گا بلکہ اس لئے ہوئے تھے کہ وہ اپنی جانیں اور اموال سلسلہ کیلئے قربان کر دیں گے۔ پس جب لوگوں کو یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ اور مسلمان ہو جاؤ یا یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ اور احمدی ہو جاؤ تو اِس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ آؤ اور روٹیاں کھاؤ۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ آؤ اور سر کٹواؤ۔ اور جب کوئی شخص سر کٹوانے آ گیا تو اسے انعام کی ہوس کہاں رہی۔ کہتے ہیں ''جب اوکھلی میں سر دیا تو موہلوں کا کیا ڈر'' جب کوئی شخص اوکھلی میں اپنا سر دے دیتا ہے تو اسے اس بات کا کیا خوف ہوسکتا ہے کہ وہ پیسا جاتا ہے یا کچلا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول کریم ﷺ سے فرماتا ہے کہ تُو لوگوں پر کوئی جبر کرنے والا نہیں۔ اگر کسی شخص پر جبر کیا جائے اور اُسے زبردستی مذہب میں داخل کیا جائے تو وہ بعد میں کہہ سکتا ہے کہ میں اپنی خوشی سے شامل نہیں ہوا، تم نے جبر کیا اور میں نے مان لیا۔ لیکن جب ہم دلائل دیتے ہیں اور دلائل پیش کر کے کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہتا ہے ان دلائل کو سُن کر ہمارے اندر شامل ہو جائے اور جس کو شرح صدر نہیں وہ شامل نہ ہو تو اس کے بعد جو شخص ہمارے اندر شامل ہوتا ہے وہ یہ ارادہ لے کر آتا ہے کہ میں اپنا سر دے دوں گا مگر اس راستہ سے جس کو میں نے سچا تسلیم کر لیا ہے پیچھے قدم نہیں ہٹاؤں گا۔ پھر جو شخص سر دے دیتا ہے اس کا یہ حق کہاں باقی رہ جاتا ہے کہ وہ کسی حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے۔ ہاں یہ سر دینا جاہلانہ نہ ہو کہ خودکشی کی اور مر گئے۔ بلکہ سر دینے سے مراد اپنے جذبات کی قربانی، اپنے احساسات کی قربانی، اپنے علم کی قربانی، اپنے اموال کی قربانی اور اپنی خواہشات کی قربانی ہے۔ البتہ اگر کسی وقت تلوار سے جہاد بھی شروع ہو جائے تو اُس وقت ظاہری طور پر اپنی جانیں قربان کرنا بھی ضروری ہوگا لیکن ایسا جہاد بہت کم ہوتا ہے۔ اور یہ جہاد انسانی زندگی کا کروڑواں حصہ بھی نہیں۔ اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی زندگی کا کروڑ منٹ اور کاموں میں خرچ ہوا ہے مگر ایک منٹ صرف جہاد پر

خرچ ہوا ہے۔ پس سر کٹوانے سے وہ سر کٹوانا مراد نہیں بلکہ اپنے نفس کی کُل طاقتوں کو خدا تعالیٰ کے احکام کے تابع کر دینا ہے اور انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے نفس کو کلیۃً تابع کر دے۔ ربّ العٰلمین کی صفت کے ماتحت وہ اپنے نفس کو کُلّیۃً تابع کر دے، رحمٰن کی صفت کے ماتحت وہ اپنے نفس کو کلیۃً تابع کر دے، رحیم کی صفت کے ماتحت وہ اپنے نفس کو کلیۃً تابع کر دے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صفت کے ماتحت۔ جو جماعت اور جو قوم یہ کام کر لیتی ہے وہی کامیابیاں اور عروج دیکھنے کی مستحق ہوتی ہے اور یہی غرض میری تحریک جدید سے ہے۔ چنانچہ تحریک جدید کے تمام مطالبات اسی لئے ہیں کہ تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بناؤ۔ مثلاً جب میں نے کہا جاؤ اور باہر تبلیغ کیلئے نکل جاؤ تو میں نے یہ حکم ربّ العٰلمین کی صفت کے ماتحت دیا اور اس لئے دیا تا تم بھی صفت ربّ العٰلمین کے مظہر بن جاؤ۔ کیونکہ کچھ قومیں پیاسی ہیں انہیں پانی پلاؤ، وہ تاریکیوں میں بھٹکتی پھر رہی ہیں تم انہیں وہ نور پہنچاؤ جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اور جس طرح ربّ العٰلمین تمام جہان کی ربوبیت کرتا ہے اسی طرح تم بھی نکلو اور تمام دنیا کو اپنی روحانی تربیت کی آغوش میں لے لو۔

پھر جب میں نے چندے کی تحریک کی تو وہ بھی ربّ العٰلمین اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صفت کے ماتحت تھی۔ کیونکہ ملک کیلئے خزانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کوئی قوم اُس وقت تک اپنا نظام درست نہیں کر سکتی جب تک اُس کے پاس خزانہ موجود نہ ہو۔ پھر جب میں نے امانت فنڈ کی تحریک کی تو وہ بھی صفت ربّ العٰلمین کے ماتحت کی کیونکہ ربّ العٰلمین کی صفت اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ سب زمانوں پر نظر رکھی جائے اور آج کی ضرورتوں کے پورا کرنے کا ہی خیال نہ کیا جائے بلکہ کل کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ربّ العٰلمین ہے، اس نے یہ نہیں کیا کہ جن چیزوں کی انسان کو ضرورت ہے وہ اُس نے آج پیدا کی ہوں بلکہ کروڑوں کروڑ سال پہلے اُس نے یہ چیزیں تیار کرنی شروع کر دی تھیں۔ اسی طرح ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بھی کل کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کیلئے آج سے تیاری شروع کر دیں اور اسی وجہ سے میں نے امانت کی تحریک جاری کی۔

پھر جب میں نے کہا کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرو تو یہ بھی ربّ العٰلمین کی صفت کے ماتحت تھا۔ کیونکہ ربّ العٰلمین کے کی صفت کے ماتحت کوئی شخص اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے والا نہ ہو۔ ربوبیت کا تعلق ماں باپ والی خدمت سے ہے اور ماں باپ

کی خدمت چندہ سے نہیں بلکہ ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ بعض بیمار مائیں بے شک اپنے بچہ کو دودھ نہیں پلاتیں اور وہ اس بات پر مجبور ہوتی ہیں کہ نوکروں سے خدمت لیں۔ مگر تندرست مائیں ہمیشہ اپنے بچوں کی اپنے ہاتھ سے خدمت کرتی ہیں۔ خواہ ان کے ایک نہیں دس، پچاس اور سَو نوکر بھی ہوں۔ ملکیت کی زندگی کے ماتحت بے شک خدمتگاروں سے کام لیا جاسکتا ہے مگر صفت ربّ العٰلمین کے ماتحت ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے کام کرے۔ محمد ﷺ جن کے قدموں کے نیچے ہزاروں انسان اپنی آنکھیں بچھانے کیلئے تیار تھے اور جن کی خدمت کیلئے ہزاروں لوگ موجود تھے، انہیں جب ہم اہلی زندگی میں دیکھتے ہیں تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک موقع پر جھکتے ہیں اور فرماتے ہیں عائشہؓ! میری پیٹھ پر پیر رکھ کر فلاں نظارہ دیکھ لو۔ [۱۷] پھر آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو حضرت حسنؓ جو ابھی چھوٹے بچے تھے آتے اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو گردن پر چڑھ کر بیٹھ جاتے۔ جب آپ سجدہ کے بعد کھڑے ہونے لگتے تو انہیں اپنی گودی میں لے لیتے۔ پھر رکوع میں جاتے تو اُتار دیتے اور جب پھر سجدہ میں جاتے تو وہ پھر آپ کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے۔ صحابہ ایک دفعہ یہ دیکھ کر حضرت حسنؓ پر ناراض ہوئے تو آپ نے فرمایا رہنے دو بچوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان کے شفیق بنو۔ [۱۸]

غرض گو دنیا جہان کیلئے محمد ﷺ قربانی کر رہے تھے اور دنیا جہان بھی آپ کیلئے ہر چیز قربان کرنے کیلئے تیار تھی مگر حضرت حسن کے ساتھ سلوک ایک جداگانہ رنگ رکھتا تھا۔ جو سلوک آپ سے حسنؓ کرتے تھے کسی اور کا بچہ کرتا تو شاید وہ باپ اپنے بچہ کو مار مار کر اَدھ موا کر دیتا۔ کیونکہ یہاں صرف ایمان کا سوال نہیں تھا بلکہ اہلی زندگی کا بھی سوال تھا۔ غرض ربوبیت کے مرکز میں آ کر ہاتھوں سے کام کرنا ضروری ہوتا ہے اور یہی تحریک جدید میں مَیں نے جماعت سے مطالبہ کیا کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرو اور اسی طرح کرو کہ جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کا کام کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہی عورت جو اپنے ہاتھ سے اپنا ناک پونچھنے میں بھی ہتک محسوس کرتی ہے اور بغیر رومال کے اُسے صاف نہیں کرتی جب دیکھتی ہے کہ اُس کے بچے کا ناک بہہ رہا ہے تو کس طرح فوراً اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا ناک اپنے ہاتھ سے صاف کر دیتی ہے۔ وہ بادشاہ جو اُٹھ کر اپنے ہاتھ سے پانی لینا بھی برداشت نہیں کر سکتے بچوں کو اپنی گودی میں اُٹھائے پھرتے ہیں۔ تو اپنے ہاتھوں سے بنی نوع انسان کی خدمت کرنا یہ ربوبیت کا حصہ ہے اور ہر شخص جو صفت ربّ العٰلمین کا مظہر بننا چاہتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ یہ کام کرے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ

پیسے لے لو مگر ہاتھ سے کام نہ لو وہ ملکیت کا مظہر تو بنتا ہے مگر رَبُّ الْعٰلَمِیْن کا مظہر نہیں بنتا۔ حالانکہ ربوبیت کا مادہ فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ ایک زمیندار بے شک ٹیکس ادا کرتا ہے مگر کوئی زمیندار اس امر کو برداشت نہیں کرسکتا کہ گورنمنٹ کچھ ٹیکس بڑھا دے اور اس کے بچوں کی پرورش کا ذمہ خود لے لے۔ وہ کہے گا ٹیکس بے شک بڑھا دو مگر بچہ کی خدمت مَیں ہی کروں گا اور کسی کو نہیں کرنے دوں گا۔

روس میں کئی دفعہ محض اس بات پر بغاوت ہوگئی ہے کہ حکومت کہتی ہے کہ قوم کے بچوں کو ہم پالیں گے اور ان کی پرورش حسب منشاء کریں گے اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کی خود پرورش کریں گے تمہارے سپرد نہیں کرسکتے۔ حکومت کے افسر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے بچوں کو عمدہ سے عمدہ مکانوں میں رکھیں گے۔ اچھی سے اچھی غذا کھلائیں گے تم ان کی پرورش ہمارے ذمہ رہنے دو مگر وہ کہتے ہیں کہ ہم خواہ بھوکے مریں یا فاقے برداشت کریں بچوں کو اپنی گودی سے نہیں اتاریں گے۔ غرض ملکیت کے ماتحت چندے دیئے جاتے ہیں لیکن ربوبیت کے ماتحت ہاتھوں سے خدمت کی جاتی ہے۔ تم اپنے بچے کو اس لئے گود میں نہیں اُٹھاتے کہ اس کو اُٹھانے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ اگر تمہارے ہزار خادم بھی ہوں تب بھی تم اپنے بچے کو خود اٹھاؤ گے کیونکہ ربوبیت تمہاری فطرت میں داخل ہے۔

مجھے ایک نظارہ کبھی نہیں بھولتا میں اُس وقت چھوٹا سا تھا، سولہ سترہ سال کی عمر تھی کہ اُس وقت ہماری ایک چھوٹی ہمشیرہ جو چند ماہ کی تھی فوت ہوگئی اور اُس کو دفن کرنے کیلئے اِسی مقبرہ میں لے گئے جس کے متعلق احرار کہتے ہیں کہ احمدی اس میں دفن نہیں ہوسکتے۔ جنازہ کے بعد نعش حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں پر اُٹھالی۔ اُس وقت مرزا اسماعیل بیگ صاحب مرحوم جو یہاں دودھ کی دکان کیا کرتے تھے آگے بڑھے اور کہنے لگے حضور! نعش مجھے دے دیجئے میں اُٹھالیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مڑ کر اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا ''یہ میری بیٹی ہے''۔ یعنی بیٹی ہونے کے لحاظ سے اِس کی ایک جسمانی خدمت جو اِس کی آخری خدمت ہے یہی ہوسکتی ہے کہ میں خود اِس کو اُٹھا کر لے جاؤں۔ تو صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے مظہر بنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ مخلوق کی جسمانی خدمات بجالاؤ۔ اگر تم خدمت دین میں اپنی ساری جائداد دے دیتے ہو، اپنی کُل آمد اسلام کی اشاعت پر خرچ کر دیتے ہو تو تم ملکیت کے مظہر تو بن جاؤ گے مگر رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے مظہر نہیں بنو گے۔ کیونکہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن کا مظہر بننے کیلئے ضروری ہے کہ تم اپنے ہاتھ سے کام کرو اور غرباء کی خدمت پر کمربستہ

رہو۔ ہاں جب تم اپنے ہاتھوں سے بھی بنی نوع انسان کی خدمات بجالاؤ گے تو تم رب العٰلمین کی صفت کے بھی مظہر بن جاؤ گے۔

پھر جب میں نے کہا کہ تحریک جدید کے بورڈنگ میں اپنے بچوں کو داخل کراؤ تو یہ تمہیں صفت رحیمیت کا مظہر بنانے کیلئے مطالبہ کیا۔ کیونکہ رحیمیت کہتی ہے کہ تم ایسی اعلیٰ تربیت کرو اور ایسی عمدہ خوبیاں مخلوق میں پیدا کرو کہ جن سے وہ دوامی زندگی اختیار کرلے۔ پھر یہ تحریک ایک رنگ میں ربّ العٰلمین کی صفت کے ماتحت بھی ہے یعنی قوم کے ہر شعبہ کی اصلاح کی جائے۔ اسی طرح جب میں نے سادہ زندگی اختیار کرنے کیلئے کہا تو یہ مطالبہ صفت رحمانیت اور صفت مَلِکیت کے ماتحت آتا تھا۔ کیونکہ ہر وہ قوم جو اپنی زندگی عیش پسند بنالیتی ہے غرباء کی خدمت میں حصہ نہیں لے سکتی۔ حالانکہ رحمانیت کی صفت چاہتی ہے کہ مزدوروں سے ہی نہیں بلکہ غیروں سے بھی سلوک کیا جائے اور پھر اس کیلئے ضروری ہے کہ انسان کے پاس سامان ہوں اور سامان تبھی ہوسکتا ہے جب اس کی زندگی کو بعض قیود کے اندر رکھا جائے۔ جو شخص بعض قیود کے اندر اپنے آپ کو نہیں رکھتا وہ موقع پر ضرور فیل ہوجاتا ہے۔ پھر ایک مِلک ہونے کے لحاظ سے بھی سادہ زندگی ضروری ہے کیونکہ ملک کیلئے سپاہ ضروری ہے اور سپاہی کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ جفاکش ہو۔ ورنہ فوج جس کے سپاہی ترفّہ [19] میں زندگی بسر کرتے ہوں لڑائی میں کام نہیں آسکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک لطیفہ بیان کیا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ تھا جسے یہ وہم ہوگیا کہ سپاہیوں پر روپیہ فضول برباد کیا جاتا ہے ملک میں جو ہزاروں لاکھوں قصائی موجود ہیں یہی لڑائی کیلئے کافی ہیں۔ جب جنگ کا موقع ہوا انہیں بلایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اِس خیال کے آتے ہی اُس نے تمام سپاہی موقوف کردیئے۔ جب یہ خبر اِردگرد پھیلی تو اس کے قریب ہی ایک اور بادشاہ تھا جو اُس کا دشمن تھا۔ اُس نے دیکھا کہ یہ موقع عمدہ ہے۔ اب فوجیں اِس نے موقوف کردی ہیں اِس پر حملہ کردینا چاہیئے۔ چنانچہ وہ اپنی فوج لے کر ملک پر حملہ آور ہوگیا۔ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے حکم دیا کہ فوراً تمام قصائیوں کو جمع کیا جائے اور ایک فوج بنا کر انہیں کہہ دیا جائے کہ دشمن پر حملہ کردیں۔ اِس پر اوّل تو اُن قصائیوں کو جمع کرنے میں بہت دیر لگی اور اتنے عرصہ میں دشمن کی فوجیں شہر کے قریب آ گئیں۔ لیکن خیر جدوجہد کے بعد قصائیوں کو جمع کرکے میدانِ جنگ میں بھیج دیا گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بادشاہ نے کیا دیکھا کہ وہ تمام قصائی بھاگے چلے آرہے ہیں اور بادشاہ سے

مخاطب ہو کر فریاد کر رہے ہیں کہ انصاف! انصاف! بادشاہ نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے ہم باقاعدہ دشمن کے ایک آدمی کو پکڑتے اور پوری احتیاط کے ساتھ اُسے ذبح کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ نہ رگ دیکھتے ہیں پٹھا، یونہی مارتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ وہ قصائی تو اِدھر انصاف کی جستجو کرتے رہے اور اُدھر دشمن کی فوجیں بے انصافی کیلئے مُلک میں داخل ہوگئیں۔ تو دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوتا جب تک قوم کے افراد میں ایک نظام نہ ہو اور ان میں جفاکشی کی عادت نہ ہو اور جفاکشی بغیر سادہ زندگی اختیار کئے پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح ربّ العٰلمین کی صفت کے ماتحت بھی سادہ زندگی کی تحریک اُس طرح آتی ہے کہ سادہ زندگی اُس فرق کو دور کرتی ہے جو امراء اور غرباء میں پایا جاتا ہے۔ جس طرح باپ چاہتا ہے کہ کسی وقت اُس کے تمام بیٹے خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھائیں۔ اسی طرح ربّ العٰلمین یہ چاہتا ہے کہ امراء اور غرباء میں ایسا فرق نہ ہو جس کی وجہ سے ان کا ایک دستر خوان پر جمع ہونا مشکل ہو۔ فرق بے شک ہو مگر ایسا نہ ہو جو آپس کے تعلقات کو خراب کر دے اور ان میں اس قدر انسانیت بھی باقی نہ رہنے دے کہ امیر غریب کو حقیر اور ذلیل جانے اور غریب امیر کے متعلق سمجھے کہ وہ عام انسانوں سے بالا ہو گیا ہے۔ مگر امارت و غربت کا امتیاز سادہ زندگی سے ہی دور ہو سکتا ہے اور یہ بھی صفت ربّ العٰلمین کے ماتحت ایک تحریک ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنے آپ کو ربّ العٰلمین کا مظہر بنا سکتا ہے۔

غرض یہ چند مشقیں ہیں جو میں نے بتائیں اور میری غرض ان مشقوں سے یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا بھی مظہر بناؤ اور اُس کی رحمانیت کا بھی مظہر بناؤ اور اُس کی رحیمیت کا بھی مظہر بناؤ اور اُس کی ملکیت کا بھی مظہر بناؤ اور اس طرح اپنے اندر ایک عظیم الشان تغیر پیدا کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق بناؤ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ چونکہ ہماری جماعت میں جو لوگ نئے داخل ہوتے ہیں وہ وفاتِ مسیح اور ختم نبوت وغیرہ کے مسائل سُن کر داخل ہوتے ہیں اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چند مسائل ہی ہیں جو ہم نے ماننے ہیں اور انہیں مانا اور چھٹی ہوگئی۔ حالانکہ اسلام ایک وسیع نظام کا نام ہے۔ اور اس کے اندر بادشاہتوں کا نظام بھی شامل ہے، اہلی اور عائلی زندگی کا نظام بھی شامل ہے، تعلیمی نظام بھی شامل ہے، تربیتی نظام بھی شامل ہے اور یہ جس قدر نظام ہیں ان کو قائم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم رحمانیت کو بھی قائم کریں اور رحیمیت کو بھی۔ ہم ربوبیت کو بھی قائم

کریں اور مالکیت کو بھی۔ پھر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم غرباء کی خبر گیری کریں اور انہیں اٹھانے کی کوشش کریں اور امراء کا بھی خیال رکھیں اور انہیں عیش پسند زندگی میں پڑنے سے محفوظ رکھیں۔ غرض ایک وسیع نظام کی ضرورت ہے جس کے ماتحت اسلام کے تمام احکام عملی رنگ میں دنیا کے سامنے آ سکتے ہیں۔ بے شک اس نظام کا ایک حصہ وہ ہے جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے لیکن ملکیت کا بھی ایک حصہ حکومت نے رعایا کے سپرد کر رکھا ہے۔ اور پھر اسلام کا وہ نظام جو اہلی اور عائلی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اسے تو کلّی طور پر ہم قائم کر سکتے ہیں کیونکہ حکومت کی طرف سے اس میں کسی قسم کی روک نہیں۔ پس جب حکومت ایک بات میں دخل نہیں دیتی اور ہم اس میں اسلامی تعلیم جاری کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس معاملہ میں اسلامی احکام کا اِجراء نہ کریں۔ نادان کہتے ہیں کہ ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دیا جاتا ہے مگر میں کہتا ہوں اگر تم اِس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تو تم ہمارے پاس آئے کیوں تھے۔ تم نے جب خدا کو رب العٰلمین تسلیم کیا ہے تو تم خدا تعالیٰ کے دین کے جس نمائندہ کے پاس بھی جاؤ گے وہ تمہارے باپ کے طور پر ہوگا اور اس کا حق ہوگا کہ وہ تمہارے ذاتی معاملات میں دخل دے۔ اور اگر وہ دخل نہ دے تو اسلام کی تعلیم لوگوں کے گھروں میں کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔ پس جب تک خدا تعالیٰ موجودہ حکومتوں اور پارلیمنٹوں کو احمدی نہیں بنا دیتا اُس وقت تک اسلامی نظام کے وہ حصے جن پر عمل کیا جا سکتا ہے ضروری ہے کہ ان پر عمل کیا جائے اور جب حکومتیں احمدی ہو جائیں گی تو اُس وقت اسلامی نظام کا مکمل ڈھانچہ تیار ہوگا۔ اور اُس وقت دنیا کو معلوم ہوگا کہ اسلام کی تعلیم اور اسلام کا نظام کس قدر پُرامن ہے۔ آج گو حکومتیں احمدی نہیں مگر کئی امور ایسے ہیں جن میں حکومت روک نہیں بنتی۔ مثلاً زکوٰۃ ہے موجودہ گورنمنٹیں زکوٰۃ نہیں لیتیں اور اگر کوئی زکوٰۃ وصول کرے تو اُس کے راستہ میں روک نہیں ڈالتیں۔ پس جب حکومت خود ایک بات کی ہمیں اجازت دیتی ہے یا کم از کم اس میں روک نہیں بنتی تو ہم کیوں اس سے فائدہ نہ اُٹھائیں اور کیوں اس میں اسلامی نظام قائم نہ کریں۔ پس جتنے حصے اسلامی نظام کے ہیں ان میں سے جن حصوں کو موجودہ بادشاہت نے اپنے اندر شامل نہیں کیا ہمارا حق ہے کہ ان کو استعمال کریں اور ان کے ماتحت لوگوں کو چلنے پر مجبور کریں۔ زکوٰۃ کی میں نے صرف ایک مثال دی ہے ورنہ اور بھی کئی ایسے مسائل ہیں جو شریعت نے ملکیت سے متعلق رکھے ہیں۔ لیکن موجودہ حکومتوں نے ان کو اپنے حدود و اختیار سے باہر رکھا ہے۔ اور اگر ان کا انتظام کیا جائے تو حکومت کا کوئی قانون ان

میں روک نہیں بنتا۔ بے شک بہت سے ایسے بھی حصے ہیں جو بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اوران پر اُسی وقت عمل کیا جاسکتا ہے جب بادشاہت احمدیوں کو حاصل ہو۔مگر جب تک وہ وقت نہیں آتا وہ امور جن میں حکومت دخل نہیں دیتی ہمارا فرض ہے کہ ان میں اسلامی احکام نافذ کریں۔ اگر ہم زندگی کے ان شعبوں میں بھی اسلامی احکام جاری نہیں کرتے جن میں ان احکام کا اجراء ہمارے لئے قانوناً جائز ہے تو یقیناً ہم انسان نہیں طوطے ہیں۔ جس طرح طوطا ''میاں مٹھو'' ''میاں مٹھو'' کہتا رہتا ہے اور اگر ''میاں مٹھو'' کی بجائے اسے ''لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' سکھا دو تو وہ یہی کہتا رہے گا۔اسی طرح گو تم احمدی ہومگر تم طوطے کی طرح اپنے آپ کو احمدی کہتے ہو اور سمجھتے نہیں کہ اپنے آپ کو احمدی کہنے کے بعد تم پر کس قدر ذمہ واریاں عائد ہو چکی ہیں۔ پس جب تک اس اسلامی حکومت کو قائم کرنے کیلئے ہم اپنے نظام میں تبدیلی نہیں کرتے اُس وقت تک ہم صرف نام کے احمدی ہیں کام کے احمدی نہیں۔مگر صرف نام لے لینے سے کیا بنتا ہے جب تک انسان کے اندر وہ حقیقت بھی نہ پائی جاتی ہو جو اس نام کے اندر ہو۔

مجھے یاد ہے ہماری بہن امۃ الحفیظ دو اڑھائی سال کی تھی کہ ہمارے ہاں ایک مہمان آئے ان کی بھی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جو قریباً اسی عمر کی تھی۔ اُس کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں اور روشنی میں چونکہ نہیں کھلتی تھیں اس لئے وہ سمجھتی تھی کہ اور لوگوں کو بھی میری طرح دن میں نظر نہیں آتا۔ امۃ الحفیظ کبھی کبھی حضرت مسیح موعودؑ کے پاس جا کر کہا کرتی تھی کہ ابا مجھے چیجی دو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے کوئی چیز کھانے کی دے دیا کرتے تھے۔ اس لڑکی نے جو اسے اس طرح مانگتے دیکھا تو ایک دن خود بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلا کر کہنے لگی حضرت صاحب! میں پھیجی ہوں (امۃ الحفیظ) مجھے چیجی دیں۔ یہی مثال تم میں سے بہتوں کی ہے۔تم بھی اِسی خیال میں مست ہو کہ تم خدا کے سامنے جا کر کہہ دو گے کہ ہم مسلمان یا احمدی ہیں ہمیں انعام دو اور اسے (مَعَاذَ اللّٰہِ) کوئی علم نہیں ہوگا کہ تم کیا کرتے رہے ہو اور آیا تم انعام کے مستحق بھی ہو یا نہیں۔

غرض اگر تم سچے دل سے لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ کہہ رہے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی حکومت قائم کرو۔لیکن اب تو تمہاری یہ حالت ہے کہ جو شخص تم میں سے اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے تم اس کے دشمن ہو جاتے ہو۔کوئی تم میں سے اس پر اعتراض کرتا ہے، کوئی تم میں سے اسے گالیاں دیتا ہے، کوئی تم میں سے اس پر اتہام لگاتا ہے، کوئی تم میں سے اس کے خلاف شکوہ و

شکایت کرتا ہے اوران تمام اتہاموں ، ان تمام الزاموں ، ان تمام اعتراضوں اور ان تمام نکتہ چینیوں کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ تم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ آؤ اور سچے مسلمان بن جاؤ ، آؤ اور سچے احمدی بن جاؤ۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں سختی کی جاتی ہے مگر میں کہتا ہوں کس بات پر؟ تم وہ باتیں نکالو جن کی بناء پر تم کہتے ہو کہ تم سے سختی کی جاتی ہے۔ پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ کس بات پر سختی کی جاتی ہے۔ تم پر اِس وجہ سے سختی کی جاتی ہے کہ تم میں سے بعض اپنی لڑکیاں غیر احمدیوں کو دے دیتے ہیں مگر کیا اس سے مجھے ذاتی طور پر کوئی فائدہ ہے؟ تم میرے پاس آتے ہو اور اپنے منہ سے کہتے ہو کہ ہم احمدیت کا جوُا اُٹھانے کیلئے تیار ہیں، میں تمہاری بیعت لیتا ہوں اور تم احمدیت میں شامل ہو جاتے ہو۔ اس کے بعد تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ تم احمدیت کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تم اس کی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں تو میں تمہیں کہتا ہوں کہ منافق مت بنو۔ یا تم پورے احمدی بن جاؤ یا احمدیت سے الگ ہو جاؤ۔ مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ تم آپ میرے پاس آتے اور احمدیت کو قبول کرتے ہو، تم پر کوئی جبر نہیں ہوتا، تم سے کوئی زبردستی نہیں کی جاتی، تم اپنی رضا ورغبت اور خوشی سے احمدیت قبول کرتے ہو، تم اپنی رضا ورغبت سے مجھے اپنا اُستاد تسلیم کرتے ہو مگر جب کوئی کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے تو تم بہانے بنانے لگ جاتے ہو۔ اس دھوکا اور فریب کا کیا فائدہ۔ کیا تم خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اسے تمہارے اعمال کا علم نہیں؟ تمہاری فطرت اور تمہارا دماغ کہتا ہے کہ احمدیت کے بغیر تمہاری نجات نہیں مگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں نجات بھی مل جائے اور تم دل سے غیر احمدی کے غیر احمدی بھی بنے رہو۔ کوئی انسان کسی دوسرے عقلمند انسان کو بھی دھوکا نہیں دے سکتا۔ پھر تم کس طرح خیال کر لیتے ہو کہ تم خدا کو دھوکا دے لوگے۔ یہی وہ احساس ہے جس کے ماتحت میں نے تحریک جدید کا آغاز کیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اب اس قسم کے کمزور لوگوں کو جو احمدیت میں رہ کر جماعت کو بدنام کرتے ہیں زیادہ مُہلت نہیں دی جاسکتی۔ میں جماعت کو اِسی امر کی طرف لا رہا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ جماعت کو اِس پر ثبات حاصل ہو جائے گا۔ مگر اس احساس کے باوجود میں پھر بھی مُہلت دے دے کر تمہیں لا رہا ہوں تا کہ تم پر بوجھ نہ پڑے اور تم یکدم گھبرا نہ جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ میرے اِس ارادہ کی لازماً مخالفت ہوگی اور نہ صرف میری مخالفت ہوگی بلکہ ہر شخص جو میرے ساتھ تعاون کرے گا، ہر شخص جو قانون کے دائرہ کے اندر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہے گا، اُس کی بھی مخالفت ہوگی۔ لوگ بُرا منائیں گے، وہ گالیاں دیں گے، وہ بدنام کریں گے، وہ عیب چینی کریں

گے اور بجائے اِس کے کہ اصل حقیقت بیان کریں، غلط واقعات بیان کر کے لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنا چاہیں گے۔ مثلاً وہ یہ نہیں کہیں گے کہ انہوں نے شریعت کا فلاں قانون توڑا تھا جس کی انہیں سزا ملی۔ یا غیر احمدیوں کو انہوں نے لڑکی دی تھی جس کی سزا ملی۔ وہ کہیں گے ناظر امور عامہ نے مجھ پر ظلم کیا اور پھر یہ بتائیں گے نہیں کہ کیوں ظلم کیا اور کیا ظلم کیا۔ پھر اگر کسی کو واقعہ کا کچھ علم ہوگا اور وہ اشارۃً کہہ دے گا کہ لڑکی کا کیا واقعہ تھا۔ تو کہہ دیں گے اصل بات یہ نہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ناظر امور عامہ کی میرے ساتھ لڑائی ہے اور وہ خواہ مخواہ مجھے دِق کرتا ہے۔ غرض وہ اس طرح لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے لگ جائیں گے اور لوگ یہ نہیں سمجھیں گے کہ یہ بہانے بناتا ہے اور اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم کبھی نہیں دیکھو گے کہ کوئی چور کہے بھائیو آؤ اور آنسو بہاؤ کہ میں چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوں۔ وہ یہی کہتا ہے کہ لوگوں کی مجھ سے دشمنی تھی۔ فلاں جگہ میں بیٹھا تھا کہ انہوں نے گھاس کاٹ کر میری جھولی میں ڈال دیا اور مجھے چور چور کہہ کر پکڑوا دیا۔ وہ کیوں ایسا کہے گا اور اصل حقیقت بیان نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ سچ بولنے سے اسے لوگوں کو ہمدردی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ مگر جھوٹ بول کر وہ سمجھتا ہے کہ اسے لوگوں کی ہمدردی حاصل ہو جائے گی۔ تو یہ دنیا کا عام دستور ہے اور ہر ملک اور ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں اور ہر محلّہ میں اس کی نظیریں ملتی ہیں۔ مگر پھر جس طرح لوگ موت کو بھول جاتے ہیں، اِسی طرح اسے بھی بھول جاتے ہیں اور مجرموں کی حمایت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

تو وہ لوگ جو قانون کا احترام کرتے ہوئے کوشش کریں گے کہ اسلامی حکومت قائم ہو اور میرے کام میں میرے ساتھ تعاون کرنا چاہیں گے انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ بدنامی ان کے حصہ میں بھی آئے گی مگر خدا تعالیٰ کے حضور وہ ضرور نیک نام ہوں گے۔ دنیا کی نگاہ میں وہ بے شک ذلیل ترین وجود، ظالم، فاسق، فاجر، بدکار، جھوٹی سفارشیں قبول کرنے والے، لوگوں پر جبر کرنے والے اور ایمان پر چھاپہ ڈالنے والے مشہور ہوں گے مگر خدا تعالیٰ کے حضور وہ بڑی عزتوں کے مالک ہوں گے کیونکہ خدا کہے گا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی عزت اس لئے برباد کی کہ میری عزت دنیا میں قائم کریں۔ پس اگر اسے اس کام کے عوض دنیا میں عزت نہ ملے تب بھی وہ ابدی زندگی کا وارث ہوگا۔ اور اس کا نام آسمان پر ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا جائے گا اور وہی جو اس پر اعتراض کرنے والے ہوں گے اگلے جہان میں اس کے سامنے خادموں کے طور پر پیش ہوں گے۔ پس یہ کام بہت مشکل ہے، یہ منزل بہت کٹھن ہے۔ مگر اس میں

کوئی شبہ ہیں کہ جو شخص آگے بڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے انتہا برکات حاصل ہوں گی اور وہ اس کے عظیم الشان فوائد اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

غرض تحریک جدید کے دوسرے دَور میں جو سکیم نافذ کی جانے والی ہے وہ نہایت ہی اہم ہے اور اس کی تفصیلات بہت وقت چاہتی ہیں جو آئندہ کئی خطبات میں اِنْشَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی بیان کی جائیں گے۔ لیکن چونکہ تحریک جدید کا تیسرا مالی سال ختم ہو رہا ہے اِس لئے میں اِس تحریک کے دوسرے دَور کے مالی حصہ کو آج کے خطبہ میں ہی بیان کر دیتا ہوں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تحریک جدید کا تیسرا سال مالی لحاظ سے ختم ہو رہا ہے اور اب آئندہ کے متعلق میں نے اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ میں دوستوں اور اُن کارکن اصحاب کی واقفیت کیلئے جنہوں نے اس سلسلہ میں کام کرنا ہے بتا دینا چاہتا ہوں کہ جہاں اس تحریک کے دوسرے حصوں میں زیادہ سختیاں کی جائیں گی اور دوستوں سے زیادہ زور اور زیادہ جوش کے ساتھ کام لیا جائے گا وہاں میرا اِس تحریک کے مالی حصہ کو ایک حد تک پیچھے ہٹانے کا ارادہ ہے۔ میں نے مالی حصہ کے تمام پہلوؤں پر کافی غور کیا ہے اور میں ایک لمبے غور کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ تحریک جدید کے مالی پہلو کو ایسی مضبوطی حاصل ہونے میں جس کے بعد کسی سالانہ تحریک کی اِنْشَاءَ اللّٰہ ضرورت نہ رہے بلکہ اخراجات خود بخود نکلتے آئیں سات سال کی مسلسل قربانی کی ضرورت ہے۔ پس آج سے کہ چوتھا سال شروع ہو رہا ہے سات سال اور تحریک جدید کا مالی مطالبہ ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن اس رنگ میں کہ موجودہ تین سالہ دَور میں سے پہلے سال جس قدر چندہ کسی نے دیا تھا کم از کم اُسی قدر چندہ اس سال دیا جائے، ہاں اگر کوئی زیادہ دینا چاہے تو وہ زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ پس اس وقت میرا دوستوں سے مطالبہ یہ ہے کہ انہوں نے اِس تین سالہ دَور میں سے پہلے سال جتنا چندہ دیا تھا کوشش کریں کہ اس سال اس چندہ کے برابر چندہ دیں۔ لیکن میں کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ ضرور اس قدر چندہ دے۔ کیونکہ یہ طوعی چندہ ہے اور اس کا دینا میں نے ہر شخص کی مرضی پر منحصر رکھا ہوا ہے۔ پس میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص اس سال چندہ دینے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا وہ بھی ضرور چندہ دے۔ میں کسی کو مجبور نہیں کر رہا اور نہیں کرنا چاہتا۔ یہ طوعی چندہ ہے اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس کے کہ میں نے بار بار کہا ہے یہ طوعی چندہ ہے اور اگر کسی میں ہمت نہیں تو وہ وعدہ مت لکھائے پھر بھی بعض لوگ اپنی مرضی سے چندہ لکھا کر ادا نہیں کرتے اور اس طرح وہ ایک خطرناک گناہ کے

مرتکب ہوتے ہیں۔ ہزاروں احمدی ایسے ہیں جنہوں نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا لیکن اُن پر میرا کوئی گلا نہیں۔ مجھے شکایت ان سے ہے جو اپنے نام لکھوا کر پھر پیچھے ہٹے اور انہوں نے وقت کے اندر چندہ ادا نہ کیا۔ میں نے ان کی سہولت کیلئے یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ اگر کوئی شخص دیکھتا ہے کہ اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ چندہ ادا کرنے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا مگر نام لکھا چکا ہے تو وہ اپنی میعاد میں اضافہ کرا لے یا مجھ سے معافی لے لے۔ میں اُس کا چندہ معاف کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اس طرح وہ خدا کے حضور مجرم نہیں بنے گا۔ کیونکہ خدا کہے گا کہ جب میرے نمائندہ نے تجھے معاف کر دیا تو میں نے بھی تجھے معاف کر دیا۔ خدا روپے کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ سچائی کو دیکھتا ہے۔ اگر تم ایک عیسائی سے کوئی وعدہ کرتے ہو تو اُس وقت عیسائی اس کا نمائندہ ہے اور تمہارا فرض ہے کہ اُس وعدے کو پورا کرو۔ اور گر تم ایک یہودی سے کوئی وعدہ کرتے ہو تو اُس وقت یہودی اُس کا نمائندہ ہے اور تمہارا فرض ہے کہ اس وعدے کو پورا کرو۔ کیونکہ جس سے وعدہ ہو گیا اس کے اور وعدہ کرنے والے کے درمیان خدا آ جاتا ہے۔ پس وعدہ کو پورا کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اور جب میں نے ان لوگوں کیلئے جو سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہوں یہ صورت پیدا کر دی تھی تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھاتے اور خدا تعالیٰ کے گنہگار نہ بنتے۔ مگر کئی دوست ایسے ہیں جنہوں نے اس سے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وقت کے اندر بھی ادا نہیں کر سکتے تو مُہلتیں لے لو۔ چنانچہ بعض نے مزید مُہلت لے لی مگر بعضوں نے مُہلت بھی نہیں لی، چندہ معاف بھی نہیں کرایا اور وقت کے اندر بھی ادا نہیں کیا۔ گویا انہیں یہ شوق تھا کہ ہم ضرور گنہگار بنیں گے اور کسی رعایت سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے۔ اب بھی میں یہی کہتا ہوں کہ جو شخص یہ چندہ دے سکتا ہے دے اور جو نہیں دے سکتا وہ نہ دے اور اگر کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے پہلے چندوں سے بھی زیادہ چندہ دینا چاہتا ہے تو میں اسے بھی نہیں روکتا۔ میرے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جو چندہ دے سکتے ہیں اور دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ گو ابھی تحریک نہیں کی گئی تھی مگر اِس وقت تک چار پانچ وعدے میرے پاس آ چکے ہیں اور وہ ان کے پہلے وعدوں سے زیادہ ہیں۔ ان میں سے ایک چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا وعدہ ہے اور دوسرا ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب افریقہ کا۔ خود میرا ارادہ بھی ہے پہلے تین سالوں سے زیادہ چندہ دینے کا۔ اسی طرح اور بھی بعض دوستوں کے وعدے آ چکے ہیں۔ پس جو لوگ زیادہ دے سکتے ہیں ان کو میں نہیں روکتا۔ جو شخص نیکی کے میدان میں جس قدر زیادہ قدم بڑھاتا ہے

اُسی قدر زیادہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق ہوتا ہے۔ پس میں ان سے بھی جو زیادہ چندہ دے سکتے ہیں کہتا ہوں کہ نیکیوں کا میدان وسیع ہے آؤ اور آگے بڑھو۔ اور جو شخص چندہ نہیں دینا چاہتا اسے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم چندہ نہیں دینا چاہتے تو مت دو اور وعدہ بھی مت لکھواؤ ایسا نہ ہو کہ تم گنہگار ٹھہرو۔ لیکن اگر کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ خواہ مجھے تنگی سے گزارہ کرنا پڑے میں چندہ ضرور ادا کروں گا۔ تو میں اسے کہتا ہوں کہ تم کم سے کم اس قدر قربانی کرو جس قدر تم نے پہلے سال کی تھی اور انہی اصول پر کرو جو پہلے سال میں نے بتائے تھے۔ یعنی دو دو چار چار روپے نہیں بلکہ کم از کم پانچ روپے اس تحریک میں دیئے جائیں۔ پھر دس پھر بیس پھر تیس پھر ساٹھ پھر سَو پھر دوسَو پھر تین سَو اور جو اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے وہ اس سے زیادہ دے۔ مگر جو شخص اتنا چندہ نہیں دے سکتا جتنا اس نے پہلے سال دیا تھا تو اگر جس قدر رقم اس نے دی تھی اس سے کم تر کسی اور رقم کی اجازت ہے تو وہ اپنے حالات کے مطابق اس سے کم چندہ دے دے۔ مثلاً اگر کسی نے پہلے سال تیس روپے دیئے اور اس سال وہ اتنے نہیں دے سکتا تو وہ بیس دے سکتا ہے۔ اور اگر کسی نے بیس دیئے تھے اور اس سال وہ اتنے روپے نہیں دے سکتا تو اس کیلئے بھی گنجائش ہے وہ دس دے سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص جس نے پہلے سال دس روپے دیئے تھے اس سال دس دینے کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو پانچ دے۔ لیکن چونکہ یہ آخری حد ہے اس لئے اگر کوئی شخص ایسا ہو جس نے پہلے سال پانچ روپے دیئے تھے اور اس سال وہ پانچ بھی نہیں دے سکتا تو پھر وہ اس تحریک میں حصہ نہ لے کیونکہ پانچ سے کم کوئی رقم اس تحریک میں قبول نہیں کی جاتی۔ پس جو شخص دے سکتا ہے وہ انہی اصول پر دے جو میں مقرر کر چکا ہوں۔ سوائے اس کے کہ وہ اس سے زیادہ دینا چاہتا ہو۔ مثلاً کوئی شخص تین سَو کی بجائے ہزار دو ہزار یا تین ہزار دینا چاہے تو شوق سے دے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل غیر محدود ہیں اور اس کے پاس جس طرح تین سَو روپیہ چندہ دینے والے کیلئے جزا ہے اسی طرح اس کے پاس تین ہزار روپیہ چندہ دینے والے کیلئے بھی جزا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پانچ ہزار روپیہ چندہ دینا چاہے تو وہ پانچ ہزار دے اور سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ پانچ ہزار روپیہ چندہ کی بھی جزا دے سکتا ہے اور اس کی طرف سے قربانی کے مطابق ثواب ملتا ہے۔ جو شخص دو ہزار روپے دے سکتا ہے مگر وہ تین سَو دیتا ہے اسے وہ ثواب ہرگز نہیں مل سکتا جو اُس شخص کو ملے گا جو پانچ روپے دینے کی توفیق رکھتا تھا اور اُس نے پانچ روپے ہی دیئے۔ کیونکہ دو ہزار دینے کی توفیق رکھنے والا جب تین سَو روپیہ دیتا ہے تو وہ اپنی

طاقت کا ساتواں حصہ قربانی کرتا ہے۔ لیکن پانچ روپے دینے کی طاقت رکھنے والا جب پانچ روپے ہی دے دیتا ہے تو وہ سَو فیصد قربانی کرتا ہے۔ پس خدا پانچ روپے دینے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور تین سَو روپے دینے والے کو کم کیونکہ وہ ثواب روپیہ کی مقدار پر نہیں دیتا بلکہ قربانی کی طاقت پر دیتا ہے۔ پس یہ مت خیال کرو کہ چونکہ تم نے تین سَو روپے دے دیئے ہیں اس لئے ضرور تم پانچ روپے چندہ دینے والے سے ثواب میں بڑھ کر رہو گے۔ سینکڑوں پانچ روپے دینے والے ایسے ہوں گے جو تین سَو روپے چندہ دینے والوں سے زیادہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ انہیں پانچ سے زیادہ روپے دینے کی توفیق نہیں تھی اور تین سَو روپے دینے والوں کو یہ توفیق تھی کہ وہ چار سَو دیتے یا پانچ سَو دیتے یا ہزار بلکہ اس سے بڑھ کر دیتے۔ پس اس سال کیلئے میری تحریک یہی ہے کہ جتنا کسی شخص نے اِس تین سالہ دَور کے پہلے سال چندہ دیا تھا اتنا ہی چندہ اس سال دے۔ پھر میری سکیم یہ ہے کہ ہر سال اس چندہ میں سے دس فیصدی کم کرتے چلے جائیں گے۔ یعنی جس نے اِس سال سَو روپیہ چندہ دیا ہے اس سے اگلے سال نوے روپے لئے جائیں گے۔ پھر اس سے اگلے سال اسّی روپے پھر تیسرے سال ستر روپے پھر چوتھے سال ساٹھ روپے پھر پانچویں سال پچاس روپے اور پھر یہ پچاس فیصدی چندہ باقی دو سال مسلسل چلتا چلا جائے گا اور ساتویں سال کے بعد چندے کے اس طریق کو ختم کر دیا جائے گا۔ یہ مطلب تو نہیں کہ پھر سات سال کے بعد چندہ کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔ چندے تو صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات کیلئے بھی ہوتے ہیں۔ ممکن ہے خدا تعالیٰ اور کوئی کام پیدا کر دے مگر تحریک جدید کی سکیم کے بارہ میں میری سکیم ایسی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس رنگ میں چندہ کی ضرورت نہ رہے گی اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اور ان سالوں میں اس کی اپنی ذاتی آمد ایسی ہو جائے گی جو اس کام کو جاری رکھنے کیلئے کافی ہو۔ اس سکیم پر کسی شخص کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ جماعت پر بوجھ ڈال دیا گیا ہے کیونکہ میں اس چندہ کیلئے کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ میں ان کو مخاطب کر رہا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے اور جو میری آواز پر لبیک کہنے میں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ہے۔

پس وہ جو مالی وُسعت رکھتے ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے دن اچھے بنالو اور ثواب کا جو یہ موقع ہے اس سے فائدہ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرو اور جو لوگ پہلے سے بھی زیادہ بوجھ اُٹھانے کی طاقت رکھتے ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ تم نے پہلے بھی ثواب کمایا اور اب اور ثواب

کمالو کہ خدا نے تمہارے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دیئے۔ مگر وہ جو طاقت رکھنے کے باوجود اس میں حصہ نہیں لیتا اُس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور جو اِس چندہ میں حصہ لینے سے بالکل معذور ہے اس پر ہرگز کوئی گناہ نہیں نہ میری طرف سے اور نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ گویا اِس سال میری تحریک یہ ہے کہ اپنے پہلے سال کے چندہ کے برابر چندہ دو۔ اور جو اِس قدر نہ دے سکتا ہو وہ کم دے بشرطیکہ اس سے کم چندہ دیا جاسکتا ہو۔ مثلاً جس نے پہلے سال دس دیئے تھے اور اس سال وہ دس روپے نہیں دے سکتا تو وہ پانچ دے اور جس نے پانچ دیئے تھے اور اس سال وہ پانچ نہیں دے سکتا وہ کچھ بھی نہ دے کیونکہ پانچ سے کم کوئی رقم اس تحریک میں نہیں لی جاتی۔ اسی طرح بیس روپے دینے والا دس روپے دے سکتا ہے۔ تیس روپے دینے والا بیس روپے دے سکتا ہے۔ ستائیس اٹھائیس نہیں کیونکہ ایسا کوئی درجہ مقرر نہیں۔ ہاں جس نے بیس دیئے تھے وہ چاہے تو ستائیس اٹھائیس دے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ زیادتی ہے۔ اسی طرح جو شخص سَو روپے دے سکتا ہے وہ سَو روپے دے اور جو سَو نہیں دے سکتا وہ پانچ یا پانچ کے اعداد کے لحاظ سے رقم میں کمی کرسکتا ہے۔ پس چندہ کے جو درجات مقرر ہیں ان کے مطابق چندہ دو اور جو شخص مقررہ رقوم سے زیادہ رقم چندہ دے سکتا ہے اُس سے میں کہتا ہوں کہ وہ زیادہ دے اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کے نزول کی بھی زیادہ امید رکھے۔ پس ہر شخص جو ثواب حاصل کرنے کا آرزومند ہے، اس سے میں کہتا ہوں کہ ثواب کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں آگے بڑھو اور ان دروازوں میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرلو۔ بے شک یہ چندہ نفلی ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوافل کے ذریعہ ہی خدا تعالیٰ کا قرب انسان کو حاصل ہوتا ہے۔[20]

پس جو شخص چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے وہ اس نفل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ اگلے سال اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی یہ چندہ نوے فیصدی پر آجائے گا اور اُس وقت آنوں اور پائیوں کی کمی بھی جائز ہوگی۔ مثلاً جس نے اِس سال پانچ روپے چندہ میں دیئے ہیں وہ اگلے سال ساڑھے چار روپیہ دے سکے گا اور جس نے دس روپے دیئے ہوں گے اس کیلئے نو روپے ہو جائیں گے۔ اسی طرح جس نے سو دیئے ہوں گے اگلے سال اسے ۹۰ دینے پڑیں گے اور جس نے تین سَو روپے دیئے ہوں گے اسے ۲۷۰ روپے دینے پڑیں گے۔ غرض اس سال نہیں بلکہ اس سے اگلے سال پانچ روپے دینے والے کیلئے جائز ہوگا کہ وہ ساڑھے چار دے اور دس دینے والے کیلئے یہ جائز ہوگا کہ وہ نو

دے اور تیس والے کیلئے یہ جائز ہوگا کہ وہ ۲۷ روپے دے۔ مگر پھر بھی جو زیادہ چندہ دینا چاہے گا اُس کیلئے رستہ کھلا ہوگا۔ یہ کمی اسی طرح سال بہ سال ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ پچاس فیصدی کمی پر آ کر یہ چندہ ٹھہر جائے گا۔ اور دو سال اور گزرنے کے بعد اِسے بند کر دیا جائے گا۔ اِس انتظام کے ماتحت مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِتنے عرصہ میں تحریک جدید کے جو کارخانے قائم کئے گئے ہیں اور اس کی جو جائدادیں خریدی گئی ہیں وہ ایسے رنگ میں آزاد ہو جائیں گی کہ مرکزی دفتر کے اخراجات خود بخود چلتے چلے جائیں گے۔ پس اِس رنگ میں ہر سال اوّل تو چندے کا بوجھ کم ہوتا چلا جائے گا اور دوسرے یہ تحریک ایک مستقل صورت اختیار کرتی چلی جائے گی۔

یاد رکھو بہر حال قربانی خواہ کسی ہی ہو جب تک انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد نہ کر دے اور اس کی قربانی میں خلوص اور محبت نہ پائی جائے، اُس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس نہ صرف قربانیوں کی ضرورت ہے بلکہ اس اخلاص کی بھی ضرورت ہے جو قربانیوں کو نتیجہ خیز بناتا ہے۔ یہ تحریک ہے جو اِس سال مَیں کر رہا ہوں۔ بعض دوست جن کو یہ خیال تھا کہ میں اب کی دفعہ پہلے سالوں سے زیادہ مالی قربانی کا مطالبہ کروں گا اُن کی توقع کے خلاف مَیں نے قربانی کا مطالبہ کم کر دیا ہے۔ لیکن اِس کی میعاد بجائے تین سال کے اب میں نے دس سال کر دی ہے۔ یعنی تین سال وہ جو گزر چکے ہیں اور سات سال وہ جو آئندہ آنے والے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ متعدد دوستوں کی طرف سے مجھے یہ چٹھیاں آ چکی ہیں کہ میں اس تحریک کو تین سال میں ختم کرنے کی بجائے دس سال تک بڑھا دوں۔ میرا اپنا بھی خیال اس نئے سال سے اِسی قسم کا اعلان کرنے کا تھا۔ پس ان تحریکوں کو جو بالکل میرے خیال سے توارد کھا گئیں مجھے یقین ہوا کہ یہ الٰہی القاء ہے۔ پس اس تحریک کی میعاد میں توسیع اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہے اور دوستوں کو چاہئے کہ وہ اس میں اپنے اخلاص اور اپنی طاقت کے مطابق حصہ لیں۔

اسی طرح تحریک جدید کے امانت فنڈ کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ دوست جو امانت فنڈ میں روپے جمع کرا رہے ہیں وہ اپنے سابقہ طریق کو جاری رکھنے کی کوشش کریں اور جنہوں نے ابھی تک اس میں کوئی حصہ نہیں لیا وہ اس سال سے ہی امانت فنڈ میں اپنے روپے جمع کروانے شروع کر دیں۔ مگر جو دوست آئندہ کیلئے اس میں حصہ نہیں لے سکتے اور چاہتے ہیں کہ ان کا روپیہ انہیں واپس دیا جائے ان کیلئے دونوں صورتیں ہیں۔ جن کے متعلق مرکز کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جو صورت چاہے اختیار

کرے۔ یعنی وہ چاہے تو انہیں ان کے روپیہ کے بدلہ میں کوئی جائداد دے دے اور اگر روپیہ دینے کی گنجائش ہو تو روپیہ واپس کر دے۔ لیکن دوستوں کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جن کے پاس روپیہ موجود ہے اور وہ امانت فنڈ میں آئندہ بھی رقوم جمع کرا سکتے ہیں، وہ اپنے اس طریق کو جاری رکھیں اور روپیہ برابر جمع کراتے رہیں۔ مگر وہ دوست جو یہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ مجبور ہیں اور آئندہ وہ امانت فنڈ کی تحریک میں شامل نہیں رہ سکتے وہ دفتر کو اطلاع دے دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ آیا وہ روپیہ کو ترجیح دیتے ہیں یا جائداد کو۔ اگر وہ اپنی امانت بصورت نقد لینا چاہیں گے تو جس حد تک ممکن ہوگا انہیں روپیہ واپس کر دیا جائے گا اور اگر روپیہ نہ ہوا تو اس قیمت کی انہیں کوئی جائداد دی جائے گی۔ اور جیسا کہ میں نے شروع میں ہی اعلان کر دیا تھا اصل قاعدہ یہی ہے کہ جائداد کی صورت میں امانت واپس کی جائے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں دوستوں کا نفع بھی اسی میں ہے کیونکہ اس صورت میں انہیں کچھ فائدہ ہو جائے گا۔ جو لوگ امانت واپس لینا چاہیں اس کیلئے میں ایک کمیٹی بنا دوں گا جس میں زیادہ تر اُن لوگوں کو شامل کروں گا جو امانت فنڈ کے حصہ دار ہیں۔ تا وہ دیکھ لیں کہ کسی سے بے انصافی تو نہیں ہو رہی اور آیا سب کے حقوق ادا ہو گئے ہیں یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جو دوست اسے جاری رکھنا چاہتے ہیں وہ بھی اطلاع دے دیں اور بحیثیت مجموعی سب دوست کوشش کریں کہ اپنے اس طریق عمل کو جاری رکھیں اور بجائے حساب بند کرانے کے اور دوستوں کو بھی ترغیب دے کر نئے حساب کھلوائیں۔ کیونکہ اس کے فوائد نہایت اہم ہیں اور اس کو جاری رکھنا نہایت ضروری ہے۔

پس تحریک جدید کے دوسرے دَور میں مَیں جماعت کے احباب سے جو مالی مطالبہ کرنا چاہتا ہوں وہ میں نے بتا دیا ہے کہ تحریک کے پہلے سال میں دوستوں نے جس قدر چندہ دیا تھا کوشش کریں کہ اس سال بھی اسی قدر چندہ دیں۔ اور جو زیادہ دے سکتے ہیں وہ ثواب کے اس موقع کو نہ کھوئیں اور پہلے سے بھی زیادہ چندہ دیں۔ اور جو مجبور ہیں اور اس تحریک میں بالکل حصہ نہیں لے سکتے ان کے متعلق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو دور کرے اور انہیں آئندہ نیکیوں کے کاموں میں شامل ہونے کی توفیق عطا کرے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے باوجود وعدے لکھوانے کے اپنے چندے ادا نہیں کئے ان سے میں کہتا ہوں کہ خدا تم پر رحم کرے۔ میں نے ہر چند چاہا کہ تم گنہگار نہ بنو میں نے تمہارے لئے اس چندہ کو طَوعی رکھا۔ میں نے تمہیں کہا کہ اگر تم وقت کے اندر ادا نہیں کر سکتے تو مزید مُہلت لے لو، میں نے

تمہیں کہا کہ اگر تم بالکل دینے کی طاقت نہیں رکھتے تو چندہ معاف کرالو۔ مگر افسوس تم نے میری کسی رعایت سے فائدہ نہ اُٹھایا اور گنہگار رہنا پسند کرلیا۔

یاد رکھو مجھے روپے کی ضرورت نہیں، میں اپنے لئے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ میں خدا کیلئے اور اس کے دین کی اشاعت کیلئے تم سے مانگ رہا ہوں اور اگر تم اِس چندہ میں حصہ نہیں لوگے تو خدا خود اپنے دین کی ترقی کا سامان کرے گا۔ مگر میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دین کی ترقی میں حصہ نہ لے کر گنہگار نہ بنو۔ پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اس موقع کو غنیمت سمجھو اور خدمت اسلام کیلئے اپنے مالوں کو قربان کرو۔ جو شخص تکلیف اُٹھا کر اِس خدمت میں حصہ لے گا میں اُس کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کر چکے ہیں کہ اے خدا! وہ شخص جو تیرے دین کی خدمت میں حصہ لے تُو اُس پر اپنے خاص فضلوں کی بارش نازل فرما اور آفات اور مصائب سے اسے محفوظ رکھ۔ پس وہ شخص جو اس تحریک میں حصہ لے گا اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا سے بھی حصہ ملے گا اور پھر میری دعاؤں میں بھی وہ حصہ دار ہو جائے گا۔ پس جو شخص اس تحریک میں حصہ لے سکتا ہے وہ لے اور اگر کوئی شخص اس میں حصہ نہیں لے سکتا تو میں اسے کہتا ہوں کہ تم ہرگز حصہ نہ لو، تم خدا کے حضور بری ہو۔ اور جو لوگ زیادہ حصہ لے سکتے ہیں انہیں میں کہتا ہوں کہ میری حد بندیوں کو نہ دیکھو خدا تعالیٰ کے پاس غیر محدود ثواب ہیں اگر تم زیادہ قربانی کروگے تو زیادہ ثواب کے مستحق بنوگے۔

غرض یہ تحریک جدید کا مالی حصہ ہے جس کا مطالبہ آج میں نے سب کے سامنے پیش کر دیا ہے اور میں نے بتا دیا ہے کہ یہ چندہ رفتہ رفتہ گھٹتے گھٹتے پچاس فیصدی تک آ جائے گا اور سات سال گزرنے کے بعد بند کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُس وقت تک اِس محکمہ کو ایسا مضبوط بنا دے کہ یہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہو جائے اور اپنی مستقل آمد سے تبلیغ کی ضرورتوں کو پورا کرتا چلا جائے۔ اسی طرح وہ دوست جنہوں نے امانت فنڈ میں روپیہ جمع کرانے کا کام گزشتہ سالوں میں جاری رکھا ہے، انہیں میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بھی یہ بتا دیں کہ آئندہ کیلئے وہ اِس سلسلہ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں یا بند کرنا چاہتے ہیں۔ اگر بند کرنا چاہتے ہیں تو وہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیں کہ وہ کس چیز کو ترجیح دیتے ہیں، روپیہ کو یا جائداد کو۔ گو مرکز اس بات کا پابند نہیں کہ وہ امانت جمع کرانے والے کو ضرور روپیہ دے لیکن اس بات کی کوشش ضرور کی جائے گی کہ اگر روپیہ ہو تو اُنہیں روپیہ ہی واپس کیا جائے اور اگر روپیہ نہ ہوا تو انہیں قیمت خرید کے

مطابق کوئی جائداد دے دی جائے گی۔ لیکن میں دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ امانت فنڈ میں روپیہ جمع کرانے کا کام جاری رکھیں اور جو دوست ابھی تک اس میں شامل نہیں ہوئے وہ اِس وقت ہی شامل ہو جائیں۔ لیکن بہرحال جو لوگ نئے شامل ہوں گے یا وہ دوست جو اپنے گزشتہ طریق عمل کو جاری رکھیں گے، انہیں مسلسل سات سال اور امانت فنڈ میں روپیہ جمع کرانا پڑے گا اور گو روپیہ پس انداز کرنا صرف سات سال یا دس سال تک ضروری نہیں ہوتا، ساری عمر ہی انسان کو اپنا روپیہ پس انداز کرتے رہنا چاہئے۔ لیکن اس تحریک میں شامل ہونے والے کو سات سال اَور اپنا روپیہ امانت فنڈ میں جمع کرانا پڑے گا۔ اور اگر کوئی شخص سات سال تک جمع نہیں کرا سکتا تو کم سے کم اَور تین سال کیلئے ہی جمع کرا دے۔ لیکن میری نصیحت یہی ہے کہ جن دوستوں نے امانت فنڈ کی تحریک میں شمولیت اختیار کی ہے اُنہیں چاہئے کہ اُن سے جہاں تک ہو سکے اسے جاری رکھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس فنڈ میں روپیہ کی آمد میں کمی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پہلے سال ستر پچھتر ہزار روپیہ جمع ہوا۔ دوسرے سال ساٹھ ہزار اور اس سال چالیس بیالیس ہزار۔ یہ کوئی یقینی اعداد و شمار نہیں۔ مگر جو صحیح اعداد و شمار ہیں وہ اس کے قریب قریب ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت ہی اہم فنڈ ہے اور ایک مجلس شوریٰ کے موقع پر ایک خفیہ میٹنگ میں مَیں نے دوستوں پر اس کی اہمیت کو پوری طرح واضح کر دیا تھا۔ پس اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور اسے کسی لحہ بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ گزشتہ احرار کے فتن میں ہمارے دشمنوں کو جو ناکامی ہوئی اس میں امانت فنڈ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور اب جو نیا فتنہ اُٹھا تھا اس نے بھی اگر زور نہیں پکڑا تو درحقیقت اس میں بھی بہت سا حصہ تحریک جدید کے امانت فنڈ کا ہے۔ پس اِس امانت فنڈ میں جو دوست حصہ لے سکتے ہیں وہ ضرور لیں اور چاہے ایک روپیہ یا دو روپے ماہوار جمع کرائیں بِالالتزام اِس فنڈ میں روپیہ جمع کراتے جائیں۔ اور جو پہلے ہی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ اسے جاری رکھیں اور سات سال اَور روپیہ جمع کراتے جائیں۔ لیکن جو لوگ سات سال تک روپیہ جمع نہ کرا سکتے ہوں وہ کم از کم تین سال اَور ہی اس میں حصہ لیں۔ اور جو لوگ آئندہ اس میں شامل نہیں رہنا چاہتے اور اپنی جمع شدہ امانت واپس لینا چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ یہ اطلاع دیں کہ وہ روپیہ لینا چاہتے ہیں یا جائداد لینا چاہتے ہیں۔ اگر روپیہ کا مطالبہ کریں تو گو کوشش ہماری یہی ہوگی کہ انہیں روپیہ واپس دیا جائے لیکن اگر روپیہ نہ دیا جا سکا تو جیسا کہ میں نے پہلے بتا دیا تھا انہیں اِس روپیہ کے بدلہ میں اِسی قیمت کی جائداد دے دی جائے گی اور جو

آئندہ کیلئے اس میں شامل رہنا چاہتے ہوں لیکن گزشتہ امانت واپس لینا چاہتے ہوں وہ بھی اطلاع دے دیں۔ غرض تمام دوستوں کی طرف سے فرداً فرداً اطلاعات آجانی چاہئیں۔ اس کے بعد ایک کمیٹی بنادی جائے گی جس میں حصہ داران کو بھی شامل کیا جائے گا اور وہ روپیہ کی تقسیم کے کام میں مشورہ دیں گے تا کسی کو شکایت پیدا نہ ہو۔

پس مالی مطالبہ سے مَیں اس تحریک جدید کے دوسرے دَور کا آغاز کرتا ہوں اور اس کی باقی تفصیلات کو اگلے خطبات پر ملتوی کرتا ہوں۔ اُس وقت میں بتاؤں گا کہ ہماری جماعت پر کتنی اہم ذمہ واریاں عائد ہیں اور اسے اپنے نظام میں کس رنگ میں تبدیلی کرنی چاہئے۔ وَمَا تَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

(الفضل ۴؍دسمبر ۱۹۳۷ء)

۱؎ المؤمنون: ۱۱۶، ۱۱۷

۲؎ الفاتحه: ۲ تا ۴

۳؎ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۴؎ تذکرہ صفحہ ۶۶۔ ایڈیشن چہارم

۵؎ موضوعات کبیر۔ ملا علی قاری صفحہ ۵۹۔ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ

۶؎

۷؎

۸؎ مسلم كتاب العيد والذبائح باب الامر باختتان الذبح......(الخ)

۹؎ مسلم كتاب العيد والذبائح باب النهي عن صبر البهائم

۱۰؎

۱۱؎ ابوداؤد كتاب الجهاد باب النهى عن الوسم فى الوجه......(الخ)

۱۲؎

۱۳؎ البقرة: ۲۲۹ ۱۴؎ التحريم: ۷ ۱۵؎ الفجر: ۳۰، ۳۱

۱۶؎ الشعراء: ۲۲۵

۱۷ **بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید**

۱۸

۱۹ تَرَفُّه: دولتمندی،خوشحالی،آسودگی

۲۰ **بخاری کتاب الرقاق باب التواضع**